جلد دوّم

''ہاں'' اور ''نہیں'' کے درمیاں

1992

میر احمد نوؔید

''ہاں''اور''نہیں'' کے درمیاں انسان کا سَر
اُس کے دھڑ سے الگ ہو جاتا ہے۔

ابنِ عربی
(فصوص الحکم)

انتساب

شیوا

کے نام

فہرست

01	آئینِ نیست ہی ہمہ آئینِ بود ہے	21
02	مفت میں دل سی نقدی دیے جائیں گے	22
03	ایک میں کیا ہزار میں کیا ہے	24
04	آ گہی کو مِری ضرورت ہے	25
05	رنگ ہر رنگ میں سو رنگ دکھاتے ہی رہے	27
06	آرزو میں ہی مَوت آ جائے	28
07	کیا مری ’’مَیں‘‘ کہ مجھے ’’مَیں‘‘ بھی تو ’’تُو‘‘ نے دی ہے	30
08	ہر طرف خاک اڑاتی ہی چلی جاتی ہے	31
09	کرتے کرتے اپنا تعاقب تیرے در تک آ پہنچا ہوں	32
10	دنیا سوائے زر کی رعونت کے کچھ نہیں	33
11	خدا کو جب خدا بننے سے فرصت ہو گئی ہو گی	34
12	یہ غم نہیں ہے کہ مجھ سے کلام بھی نہ کیا	36
13	خواہش ہے خلا کی، نہ مَلا مانگ رہی ہے	37
14	اس قدر غرق، جو دھمّال میں ہیں	38

15	پردہ اٹھا ہوا ہے، تری آنکھ بند ہے	39
16	یہاں جواب بھی گریہ، سوال بھی گریہ	40
17	ہے فارغ جلوۂ وہم وحقیقت چاہ بھی فارغ	41
18	میں حال میں نہیں ہوں میرے حال پر مت جا	42
19	"کیا" ڈھونڈنے میں "لا" کا سوال آ گیا ہوگا	43
20	سود کی تہہ میں چھپا خوفِ زیاں ڈھونڈا کیا	44
21	کُن کی خلوت نے نہاں سے اک نہاں پیدا کیا	46
22	کس کو جانا ہے حقیقت کسے "لا" سمجھا ہے	47
23	خون اگلنے سے نہ فریاد کی حسرت سے نکل	48
24	اِس "ہا" اِس "ہُو" سے نکل آؤ	49
25	خدا سے پُوچھ کے کیا ہے ہماری تنہائی	51
26	شرمندگی ہے اور ہے کیا اپنی بندگی	52
27	"کیا" کو عالم کا تماشا ہی نہیں چاہیے ہے	53
28	کہو معلوم و نہ معلوم سے آگے کیا ہے	54
29	شعورِ عشق حیرت کے سوا بھی مسئلہ ہے	55

30 کتنے جواب ہو گئے کتنے سوال ہو گئے 56

31 ایک سکوت و اک صدا سینہ بہ سینہ نَے بہ نَے 58

32 کہہ رہا ہے یہ جلال' کہہ رہا ہے یہ جمال 59

33 اے کہ نہایتِ عیاں تیرا حجاب اور ہے 60

34 ہے شمع شعلے میں گُم اور شعلہ دُود میں گم 61

35 جس کو سمجھا تھا عیاں جس کو نہاں سمجھا تھا مَیں 63

36 این شعور و این جنوں کرد بہ جاں ہر راز فاش 65

37 آخر یہی ہونا تھا سو دیکھا ہوئے مجنون 66

38 بتا مجھے تو اے محدودِ 'لا' کی حد کیا ہے 67

39 جو ہے، جو نہ ہو گا، جو نہیں تھا، وہی ہوں میں 68

40 دریا ہوں کہ پیراک ہوں کھُلتا نہیں کچھ بھی 69

41 نہیں کھُلا جو ترے دل پہ راز ہونے کا 70

42 دل سے گزر کے حیرتِ جاں تک تو آ گئے 71

43 اِک بار جو بھی ہوتا ہے ہر بار ہی سے ہے 72

44 خامشی باطن میں پوشیدہ خلا ظاہر میں ہے 73

45	وہ ارزاں اور کیا ہوگا وہ عنقا اور کیا ہوگا	75
46	کیا ہو گیا اِس دل کو کچھ اچھا نہیں لگتا	76
47	اک موجِ بحرِ خوں میں نہائے ہیں دین و دل	77
48	بے نشانی کے تحیّر میں نشاں ہوتا ہے	78
49	طلسمِ شمعِ افسونِ ہَوا کُھلنے سے پہلے تھا	79
50	پاؤں سے گرد میں صحرا کو نہاں کرتا ہُوں	80
51	خوابِ مفرد نہیں تعبیرِ مرکّب ہے شعور	81
52	جو تیری بزم سے دل تھام کر اُٹھا ہے یہ دل	82
53	کسے معلوم کیا ٹھہرا ہُوا ہے کیا رواں ہے	83
54	کیسی بہار کیسی خزاں کوئی بھی نہیں	84
55	کیا کر رہا ہوں، کیا ہے کیا، کیا کروں گا میں	85
56	یہ نہ پوچھو کیا نہ سمجھا اور کیا سمجھا تھا میں	86
57	ہر طرف ایک صدا کوئی یہاں ہے کہ نہیں	87
58	اُس بزم میں بھی اپنی ہی خلوت میں رہے ہیں	88
59	روانہ ہوں سفرِ دل کڑا اگر ہے تو کیا	90

60	بات جو درد میں ہے درد کے درماں میں نہیں	93
61	مت سوچ کہ جلوت میں کہ خلوت میں ملیں گے	94
62	کیا کہیے قیس بھی نہیں فرہاد بھی نہیں	95
63	گناہگار رہوئے اور پاکباز رہے	96
64	اشک آتا ہے جواب خون سے تر آتا ہے	97
65	جب خدا ہی نہیں پھر فائدہ کیا ہونے سے	98
66	اب نظر آ کہ تھک رہا ہوں میں	99
67	وہ ڈوبے رہنے کی حالت ہی چھین لی مجھ سے	101
68	اِس درد کو خیالِ دوا کچھ تھا کچھ نہ تھا	102
69	جہاں جہاں میں گیا میہماں کی طرح گیا	103
70	اشکِ بے وجہ پرونے کا مقام آ ہی گیا	104
71	سرسبزیِ نظارہ میں کیا کیا ترَی رہی	105
72	یہ تیرے جلوے کی تاب اور یہ حجاب کا ہوش	106
73	کب گزرتا ہوں میں اُس رہِ سے گزر جانے کو	107
74	گھر کی ویران منڈیروں پہ دیا رکھنے سے	108

75 نہ کہ یہ تیر و تبر مجھ پہ چلائے جاتے 109

76 آگے پھر اُس سفر کا ارادہ نہیں ہوا 110

77 پوچھا نہ کبھی حال جنوں نے نہ پری نے 111

78 لے ہی آیا جنوں آخر کو برابر کی خبر 112

79 یہ جانتا ہوں ہزیمت رہِ بتاں سے ملی 113

80 جہاں نہیں ہے کوئی واں پکار جاتے ہیں 114

81 ہم تیرے حسن کی ہیبت میں بس چاند کو تکتے جاتے ہیں 115

82 اسیرِ وقت ہیں قیدِ زُلیخائی سے گزرے ہیں 117

83 رنگِ عریاں تجھے پیراہنِ تصویر سے کیا 118

84 وہ اور ہوں گے جنہیں ہوگی تیرے حسن کی چاہ 119

85 یہ میری عمر ترا انتظار کرتے ہوئے 120

86 اب کیا کہے کوئی ہے لبوں پر صدا کا دم 121

87 ترے عُشّاق در پردہ حجابِ دل اٹھاتے ہیں 122

88 اس 'میں' کی اور 'تو' کی محفل میں تم ہی تم تھے 123

89 نطق زباں میں کہاں سے آیا 124

90	سورج کی طرف پشت عجب ہے کہ نہیں ہے	126
91	نظّارۂ جمالِ رُخِ یار جب ہوا	127
92	زندگانی نہ رائیگاں ہوجائے	128
93	رستے میں بیٹھے بیٹھے کسی انتظار کے	129
94	معلوم تھا یہ عشق کو سر جانے سے پہلے	130
95	اک کارِ بے دلی تھا جو کرنا پڑا مجھے	131
96	کارِ جنوں بھی کارِ زمانہ بھی ہوگیا	132
97	بندگی میں تبھی ہم مِثلِ خُدا ایک ہوئے	133
98	دائرہ دَر دائرہ خواہش کی دنیا عارضی	134
99	نہ کسی سر نہ کسی اور کے شانے سے اُٹھا	135
100	دید نادید ہی تھا تابِ نظر سے پہلے	136
101	جو تیرے دل میں خلا تھا خدا ہُوا کہ نہیں	137
102	وہ جس نے دل کی خلش کو خدا بنایا ہے	138
103	ہونا نہیں ہوں میں کہ نہ ہونا نہیں ہوں میں	139
104	غیب کو سمجھو تو جانو مرا حاضر ہونا	140

105	اپنا ہی نشّہ میری ترنگ میں ہوں بے کشکول ملنگ	141
106	اِک فاصلے سے تُو جسے پڑھتا ہُوا تھا میں	142
107	دل کی خلش تھی وہ جسے سودا بنا دیا	143
108	ملتا تھا وہ جہاں اُسی آنگن میں لے کے چل	144
109	چیں چیں پیں پیں کرتے رہ گئے	145
110	''کیوں'' نظر آنے لگا ''کیا'' نظر آنے لگا ہے	146
111	پیشِ زمیں رہوں کہ پسِ آسماں رہوں	147
112	آپ ہی تو ہیں روحِ حقیت اگر آپ ہیں	148
113	جو بھی تھا حق ادا وہ کیا ہی نہیں گیا	149
114	آ گئے آپ، آیئے صاحب	150
115	سادہ ہے گرچہ لوح، بصارت بحال رکھ	152
116	چراغ ہائے تکلف بجھا دیے گئے ہیں	153
117	کیا حال ہے اس دل کا چھپانا بھی نہ آیا	154
118	یہی بہتر ہے کہ اب خوں میں نہاتے چلیے	155
119	اٹھا کے در سے سرِ رہ بٹھا دیا ہے مجھے	156

120	سیرِ بہار کو تو ترس ہی گئے جناب	157
121	آتا ہے رنگ رنگ پہ رنگِ مزید سے	158
122	یہ عمرِ صد بلا جو اپنے ہی سر گئی ہے	159
123	خون اُگلے کبھی روئے کبھی تقریر کرے	160
124	عشق نے جب سے دل کو گھیرا ہے	161
125	واہ وا کا شور سارا بے مزا لگنے لگا	162
126	اے بے خبری تیری خبر ہار گیا دل	163
127	سکوں سے عمر گزرنے کا بھی خیال نہیں	164
128	تازہ سوال ڈھونڈ کے لانے کی بات ہو	165
129	ہے فنا کیا یہ بتانے کیلئے آیا ہے	166
130	وہ جس پر عالم خلوت برہنہ ہو گیا ہو گا	167
131	ایک شرر شعلے سے بچھڑ کر کتنا رقص کرے گا	168
132	نہ ڈھونڈو، نہ سوچو، کہاں جا رہا ہُوں	170
133	اک نظر بھی کسی نے نہ دیکھا جدھر اک نظر دیکھ لوُں	172
134	دُکھتا ہے دکھائی نہیں دیتا ہے مِرا زخم	173

135	بجائے وہم حقیقت کہاں سُنائی گئی	174
136	رضائے حُسن کا قیدی بنایا جا رہا ہوں مَیں	175
137	اُجاڑا جا رہا ہُوں مَیں مٹایا جا رہا ہُوں مَیں	176
138	کب ''یہاں'' کب ''وہاں'' میں رہتے ہیں	177
139	کیا کہیں کس جہاں سے آئے ہیں	178
140	جہل! آ، مُجھ کو مار، زندہ کر	179
141	یہ سوچتا ہُوں پسِ آسماں چلا جاؤں	180
142	کہاں ڈھونڈھوں کدھر چلے گئے ہیں	181
143	اے خُدا کیا کروں، کیا کروں اے خُدا دل نہیں لگ رہا	182
144	'تو' کو 'میں' کرتے ہوئے اور 'میں' کو 'تو' کرتے ہوئے	184
145	شور میں دل کی ہے صدا کچھ اور	185
146	محرومیِ وصال کو حسرت سے بھر لیا	186
147	نہ بنتا میرا تماشا اگر نہ ہوتی یہ ''مَیں''	187
148	کہانی اپنی دُنیا کو سنانا چاہتا ہوں مَیں	188
149	کس مست سے لَڑ گئی ہیں آنکھیں	189

150 تو کیوں نہ آئے لبوں تک اُلٹ کے جاں میری 191

151 کیا کیجیے سنبھالے سے سنبھلتی نہیں وحشت 192

152 پنہاں ہے کیا یہ جان لے پیدا سمجھ تو لے 193

153 ہم نے جانا تو بس یہی جانا 195

154 ہُوں مطمئن کہ مجھے اضطراب عطا ہُوا ہے 196

155 کیا عشق رو گئی ہے درِ نیم وا کی رات 197

156 نہ دُعا چاہیے ہے اور نہ دوا چاہیے ہے 198

157 آج میری خامشی سے یہ فضا خاموش ہے 199

158 جب سفر کوئی اختیار کیا 190

159 بیکار گیا شورِ دریا، صحرا کی خموشی جیت گئی 201

160 دکھاوے کی تگ و دَو سب سے قربت کی اداکاری 202

161 دل سے کیوں دل کے دھڑکنے کا مزا جاتا رہا 203

162 ''کون؟'' کا جب سوال رکھیے گا 204

163 ایک جلوہ جو نہاں ہے نہ عیاں ہے کیا ہے 205

164 عشق کا وزن دل و جاں پہ اٹھانے کے سوا 206

165	مَوت سے بھاگا ہُوا جینے سے گھبرایا ہُوا	207
166	اب بُلندی کچھ نہیں ہے کچھ نہیں پستی مُجھے	208
167	ہے حُسن کی فطرت نہ جتانا نہ چھپانا	209
168	سوچنا' سوچنا' سوچنا' رہ گیا	200
169	نگہہ کو دیکھنا دل کو دکھانا پڑتا ہے	211
170	نام کہ جب نہ تھے بے نام ہُوا کرتے تھے	213
171	اپنی زد پر تھے کھڑے ہم کو تو بچنا کیا تھا	215
172	یہی تلاش ہے "کیوں" کیوں ہے "کیا" کیا ہے	216
173	خود سے گزرے نہیں تم اور نہ خدا تک پہنچے	218
174	کہا کس نے سکون چاہیے ہے	219
175	"ہے" کے خلا میں گُم ابدیّت کو خیر باد	220
176	کیا اپنے کُل کو جزوِ تماشا کریں گے آپ	221
177	قطرے کا تھا کیا ہوتا جو دریا کا نہ ہوتا	222
178	لائیں افلاک سے یا کہکشاں سے لائیں	223
179	جو عالم "ھُو" کا عالم ہے وہ پہنائی سے آگے ہے	224

180 بتا اے خلقتِ انساں تری تخلیق کو وسعت میں کیا لکھوں 226

181 خدائے ہست مقدم رکھوں کہاں کی فکر 228

182 سِوا تلاش کیا ماسِوا تلاش کیا 229

183 آتشِ دل کو جو شعلے سے فزوں دیکھتے ہیں 230

184 ہر دردِ دوا کی دوا کر رہا ہوں میں 231

185 اے خدا بھیجا ہُوا ہوں کہ نکالا ہُوا ہوں 233

186 یہ عقل کیوں دی خدایا یہ آگہی کیوں دی 235

187 یہ جو ہر لمحہ مہہ و مہر سے وحشت ہے مجھے 237

188 تھا نا سمجھ جو بقا کو فنا سمجھ رہا تھا 238

189 اور کیا ہے بلا ہے میرے لیے 239

190 پڑی وہ گرد کہ ''ہے'' اور ''تھا'' بھی بھول گیا 230

191 بارِ افلاک اٹھا سکتا ہوں 241

192 دل سے ترا خیال نکل ہی نہیں رہا 243

193 کہاں تک شورِ تنہائی سُنو گے 245

194 عشق تیزی سے نظر بھی نہ بدل پائے گا 247

195	ایک سے پیار کر رہا ہوں مَیں	248
196	کوئی نغمہ کیوں سناؤں کوئی نوحہ کیوں کروں	250
197	زانو سے سَر اُٹھایئے، صُبح ہوگئی جناب	252
198	آئینہ وہمِ دید ہے حیرت میں کُچھ نہیں	253
199	ترے وجود میں جب ''تُو'' مچل گیا ہوگا	255
200	اس آئینے سے بہانا بہت ہی مُشکل ہے	256
201	ہر ایک حیرت و حسرت میں نکل آیا	257
202	سوچوں خدا ہے کیا کہ میں سوچوں خدا ہے ''کیوں''	258
203	چاہے آوارہ پھرو تم چاہے اپنے گھر رہو	260
204	عاشقی پھر شروع کردی ہے	261
205	ہے تیرا چہرہ تو کیوں، ہے تو آئنہ کیوں ہے	263
206	کیونکر ہوں تم سے کیا کہوں کیونکر نہیں ہوں میں	264
207	اس مشکل نظارہ کو آساں کرے گا کون	266
208	مقامِ ''ھُو'' سے کچھ ایسا جُڑا ہُوا ہے فقیر	267
209	کِیا دَر ''ھُو'' کا وا، رازِ نہاں پہنچا دیا ہے	268

210	درونِ قلب کسک ڈالنے کو آیا ہوں	269
211	کسے ہے غم جو غبارِ سفر لباس ہُوا	271
212	سانس لینے نہ ٹھہرنے کے لیے ہوتا ہے	272
213	نہ ’’کیوں‘‘ کے پیچھے پھرو اور نہ ’’کیا‘‘ تلاش کرو	274
214	کب کہا زندگی سے تنگ ہوں میں	276
215	نہاں ہے مَوت میں جیسے حیات باقر جی	279
216	کسے خبر ہے کہاں سے گُزر کے آ رہا ہوں	281
217	جُوں طفلکِ نادان ہُمکنے تو لگے ہیں	282
218	یہی جنوں یہی جلوے کی جلوہ تابی ہے	284
219	اے لاجواب یہ جو خدا کا سوال ہے	285
220	کیا کِیا جانے نہاں جانے عیاں کیا کِیا ہے	287
221	صُبح سے کچھ غرض نہ شام سے کام	289
222	فقیر خاک سے جب اپنا سَر اٹھائے گا	291
223	نظر اٹھا نہ جھکا خود کو تشنہ کام نہ رکھ	293
224	پسِ مہرِ صبح دیکھو، پسِ ماہِ شام دیکھو	294

225	جائے مخدومیِ استاد بھی پڑ جائے گی کم	296
226	گھِرا ہُوا تھا بَلا میں بَلا سے جان چُھٹی	298
227	دُنیا کو کیا خبر کہ ہے کیا عاجزی کا مکر	300
228	خُدا تو کیا بنے اپنے مقام سے بھی گئے	301
229	کُو بہ کُو یعنی سراسیمہ پھرایا گیا ہُوں	302
230	کسی مجنوں کا خواب ہو گئی ہے	304
231	اے زندگی میں تیری تمنا کروں تو کیوں	306
232	قطرے سے گزر جائیں گے دریا سے ملیں گے	308
233	ورائے عقل جو تھا سو چنا پڑا مجھ کو	309
234	کیا یونہی خامشی میں صدا ڈھونڈتا رہوں	311
235	نہ خاص سنتے ہیں مجھ کو نہ عام سنتے ہیں	313
236	مجھ کو سیدھا جو چلاتی راستی ایسی نہ تھی	314
237	آخرش کُن کے جہاں سے میں گزر آیا ہوں	315
238	گو خواب کے جلوے پہ ہے تعبیر کا پردہ	316
239	میں اپنا آپ شدّ و مَد سے منوانے نہیں آیا	317

240	علم نقطہ تھا جسے سمجھا نہ سمجھایا گیا	318
241	یہ دنیا خاک اُڑانے کی جگہ ہے	319
242	انساں کا اپنے آپ کو پانا ہے انقلاب	320
243	ایسی عُریانی ہے تصویر میں آ سکتی نہیں	322
244	اِس تماشے کا تماشا کیوں ہُوا	323
245	پہنچو گے غیب میں جب اپنے حضور ہو گے	324
246	خود اپنی آنکھ سے اپنا تماشا دیکھنا ہوگا	326
247	تر و تازہ گُلاب کی صورت	327
248	رُخ سے تیرے نظر ہٹا نہ سکا	328
249	اک تُو کہ تُو اصنام گرانے میں ہُوا صرف	329
250	وہ کون ہے کہ جو''ہے'' بھی نہیں جو''تھا'' بھی نہیں	330
251	دیکھو فقط انسان ہُوں میں اے مِرے بھائی	331
252	کوئی دلیل مگر ہوتی کس طرح آسان	332
253	صد شکر ہم کو صدقۂ اہلِ نظر دیا	333
254	ملی کسی کو حقیقت کسی کو خواب مِلا	334

255	کیوں کروں قائل کہ کیوں آوارگی کرتا ہوں میں	335
256	کیوں نہ مَرے یہ بزدلی نیکی کی چاہ کے لئے	337
257	کرو ختم جھگڑا، نشہ اپنا اپنا	338
258	کیوں تجھ کو تماشا نظر آتی ہے دنیا	339
259	بات جو دل میں آئی تھی کردی	341
260	عقل سے پہلے مگر دل ہے تمہیں کیا معلوم	342
261	خَلوت میں اپنی جَلوتِ دنیا کو دیکھ لے	343
262	اگر کہوں کہ کہوں میں مگر یقین نہیں	344
263	ہر حقیقت کو پسِ ساغرِ جم لکھتا رہا	345
264	وہ کون رشتہ تھا آقا غلام سے پہلے	346
265	تُم جاؤ اپنا کام کرو	347
266	میرا دل تو خیر دُکھایا جا سکتا ہے	348
267	نہ یوں کُڑھا کرو نوید	349
268	کون ہے، کس واسطے ہے، کیا ہے میر احمد نوؔید	350

☆

آئینِ نیست ہی ہمہ آئینِ بود ہے
یعنی مگس سے شعلہ ہے شعلے سے دود ہے

یاں یہ کہ اپنی شکل بدلتا ہے انتقال
کہتے ہیں واں کہ نیست کو درپیش بود ہے

دیکھا ہے یہ ''نہیں'' سے گزر کر بہ شدّ و مَد
یاں کچھ عدم نہیں ہے یہاں سب وجود ہے

جب چشم نے حدود سے جانا ہے لا حدود
پھر جو ہے یاں شہود وہ یعنی وجود ہے

جب خواب سے نہ آنکھ کُھلے کس طرح کُھلے
کیا ہے مآلِ عشق زیاں ہے کہ سود ہے

☆

مفت میں دل سی نقدی دیے جائیں گے
عشق کرنا ہے سو ہم کیے جائیں گے

جس طرف دل کی کوئی بھی سنتا نہیں
اُس طرف بھی صدا ہم کیے جائیں گے

بے دلی اب تو یہ پُوچھتی ہی نہیں
دل کے یہ چاک کس دن سیے جائیں گے

ہے یہی کچھ جو بس میں ہمارے سو ہم
کام ناکامیوں سے لیے جائیں گے

کیا کریں لے کے عمرِ مسیحاؑ و خضرؑ
مر نہ جائیں گے ہم گر جیے جائیں گے

گُھٹ کے رہ جائے گا خواہشوں میں یہ دم
دل کی دل ہی میں ہم تو لیے جائیں گے

جو ہے جی میں تمہارے کہے جاؤ تم
ہم بھی اپنی سی کرنی کیے جائیں گے

☆

ایک میں کیا ہزار میں کیا ہے
ہم کو کیا اِس شمار میں کیا ہے

کیا ہے بے روزگار کو مطلب
عالمِ روزگار میں کیا ہے

کیا ہُوا گر یہ ہاتھ خالی ہیں
دستِ لیل و نہار میں کیا ہے

مِل کے خوش ہوتا ہے ہر اک مغموم
جانے اُس سوگوار میں کیا ہے

انتظار اور انتظار فقط
جبر کے اختیار میں کیا ہے

☆

آگہی کو مِری ضرورت ہے
روشنی کو مِری ضرورت ہے

اک کمی سی ہے حاصلِ ادراک
جس کمی کو مِری ضرورت ہے

ہے جہاں سب کو زندگی درکار
زندگی کو مِری ضرورت ہے

جاری کرنے سبیلِ سیرابی
تشنگی کو مِری ضرورت ہے

اے خودی چھوڑ میرا دامن چھوڑ
بے خودی کو مِری ضرورت ہے

بے نیازانہ زیست کیوں نہ کروں
جب مجھی کو مِری ضرورت ہے

بے ضرورت ہے جو بھی دنیا میں
بس اُسی کو مِری ضرورت ہے

ہے کوئی بے نیازِ ناز و نیاز
کیا کسی کو مِری ضرورت ہے

اپنے اظہارِ معجزہ کے لئے
شاعری کو مِری ضرورت ہے

☆

رنگ ہر رنگ میں سو رنگ دکھاتے ہی رہے
ہم تصور میں وہ تصویر بناتے ہی رہے

منتظر آپ کا ہے ایک زمانہ کب سے
آپ بھی آ نہ گئے آپ بھی آتے ہی رہے

میکدہ دوش پہ رکھ لائے جو گلیوں گلیوں
رند تھے ہم نئے میخوار بناتے ہی رہے

زور کم کر نہ سکی یورشِ غوغائے سگاں
ہم فقیرانہ صدا رہ میں لگاتے ہی رہے

باز آئے کسی صورت نہ گلی سے تری ہم
سنگ کھاتے ہی رہے خوں میں نہاتے ہی رہے

ہم کو کچھ اتنی رہی روزِ جزا کی جلدی
روز ہم ایک نیا حشر اٹھاتے ہی رہے

☆

آرزو میں ہی مَوت آجائے
جستجو میں ہی مَوت آجائے

کو بہ کو پھر رہا ہوں میں اے کاش
کو بہ کو میں ہی مَوت آجائے

سُو بہ سُو کا ہے جب سفر درپیش
سُو بہ سُو میں ہی مَوت آجائے

چاکِ لا یعنی کررہا ہوں رفو
اِس رفو میں ہی مَوت آجائے

من و تُو کی نہ ختم ہو تکرار
من و تُو میں ہی مَوت آجائے

کہہ رہی ہے یہ خامشی مجھ سے
گفتگو میں ہی مَوت آجائے

کہہ رہا ہے یہ مجھ سے اک ہنگام
ہاؤ ہو میں ہی مَوت آجائے

☆

کیا مری ''مَیں'' کہ مجھے ''مَیں'' بھی تو ''تُو'' نے دی ہے
جبکہ ہونے کی خبر حالتِ ھُو نے دی ہے

دی ہے ساقی ہی نے یہ مست نگاہی مجھ کو
نہ صراحی نے نہ مَے نے نہ سبو نے دی ہے

اُس کی حد کیا کہ سرے کا بھی سرا مل نہ سکا
ہاں مجھے میری ہی حد میرے غُلو نے دی ہے

چشمِ مجبور کہاں اور کہاں نظّارۂ صبر
دستِ قاتل کو یہ جرأت بھی گلو نے دی ہے

وہ جو بخشی ہے جنوں نے مِری دیوانگی کو
چاک نے دی ہے وہ مستی نہ رفو نے دی ہے

☆

ہر طرف خاک اڑاتی ہی چلی جاتی ہے
یاد آتی ہے تو آتی ہی چلی جاتی ہے

رات عریاں ہوئی جاتی ہے حقیقت کی طرح
اور مجھے خود میں چھپاتی ہی چلی جاتی ہے

اپنے آگے سے میں ہٹتا ہی چلا جاتا ہوں
اور وہ سامنے آتی ہی چلی جاتی ہے

کیا خبر ہو وہ مجھے مجھ سے مِلانے کے لئے
اک صدا ہے کہ بلاتی ہی چلی جاتی ہے

جانے غفلت کا کرشمہ ہے کہ آگاہی کا
زندگی پردے اٹھاتی ہی چلی جاتی ہے

ہائے وہ حسن ہُوا جاتا ہے جتنا خاموش
بات کرنی اسے آتی ہی چلی جاتی ہے

☆

کرتے کرتے اپنا تعاقب تیرے در تک آ پہنچا ہوں
اپنی خبر کو نکلا تھا میں تیری خبر تک آ پہنچا ہوں

خود کو نگلنے ہی والا ہُوں مَیں وحشت کا مارا ہوا
اپنی بھوک میں خود کو چباتا اپنے جگر تک آ پہنچا ہوں

خود کو جلانے ہی والا ہوں کوئی دم میں کوئی پل میں
یعنی دشت کا شعلہ لے کر اپنے گھر تک آ پہنچا ہوں

جانے ھا ہے جانے ھُو ہے جانے مَیں ہے جانے تُو ہے
جانے کدھر کو نکلا تھا میں جانے کدھر تک آ پہنچا ہوں

چونکہ چنانچہ سے ہو کر میں خود پر آ ٹھہرا ہوں نویدؔ
اپنی اگر کا مارا تھا مَیں اپنی مگر تک آ پہنچا ہوں

☆

دنیا سوائے زر کی رعونت کے کچھ نہیں
اپنی غرض سوائے محبت کے کچھ نہیں

دنیا کے پاس وقت ہے کم کام ہیں بہت
اور یاں سوائے خواری و فرصت کے کچھ نہیں

واں شرط اُستواری ہے پیشِ حضورِ یار
اور یاں سوائے لغزش و وحشت کے کچھ نہیں

میں کچھ نہیں صدائے فقیرانہ کے سوا
کاسے میں میرے جُز تری حسرت کے کچھ نہیں

اے طائرِ فریفتہ پرواز، ہوشیار!
جز وہم پاس دامِ حقیقت کے کچھ نہیں

جب چاہے توڑ دیتا ہے ہم پر بلا جواز
اُس پاس کیا سوائے قیامت کے کچھ نہیں

☆

خدا کو جب خدا بننے سے فرصت ہوگئی ہوگی
ہُوا تو اور کیا ہوگا، محبت ہو گئی ہوگی

جو اک لمحہ ہُوا ہوگا بسر، فکرِ حقیقت میں
اُس اِک لمحے میں صدیوں کی عبادت ہوگئی ہوگی

وہ جس لمحے تجسّس سے، تجسّس اٹھ گیا ہوگا
حقیقت ہاتھ آکر، بے حقیقت ہو گئی ہوگی

ہے جو ڈالا ہوا دھمال، حیرت میں عناصر نے
نگاہِ وہم پر عریاں، حقیقت ہو گئی ہوگی

خداوندا، مری خلوت میں، جب تو آگیا ہوگا
ہر اِک جلوت کی حسرت، دل سے رخصت ہوگئی ہوگی

قبول اُس در پہ جب میری ریاضت ہوگئی ہوگی
زمانے! مجھ سے مجھ تک میری شہرت ہوگئی ہوگی

زمانے لے اُڑا ہو گا، اُسے جبریل سوئے عرش
جو مصرعہ ہوگیا ہوگا، تو آیت ہو گئی ہوگی

کسی خلوت میں تم نے لوحِ دل کو جب پڑھا ہوگا
سمجھ لو میرے دیواں کی، تلاوت ہوگئی ہوگی

تمہیں، تم مل گئے ہوگے، جومصرعہ،کُھل گیا ہوگا
زیارت ہوگئی ہوگی، عبادت ہوگئی ہوگی

تبھی سجدہ کیاہوگا، تجھے تیری بلندی نے
کہ جب تیرے برابر تیری قامت ہو گئی ہوگی

☆

یہ غم نہیں ہے کہ مجھ سے کلام بھی نہ کیا
کسی نے مجھ کو جواباً، سلام بھی نہ کیا

تباہ کر ہی دیا، میری وضع نے مجھ کو
کہ خاص بھی نہ رکھا، اور عام بھی نہ کیا

جیے تو جی لیے بس، بے نظام و بے ہنگام
مرے تو مر گئے بس، اہتمام بھی نہ کیا

چھپی نہ شرم سے بھی، یاں ہماری عریانی
کسی کے ننگ کو حسرت، کہ نام بھی نہ کیا

بس ایک عشق کیا، عشق، ایک کام سے عشق
بس ایک کام کیا، ایک کام بھی نہ کیا

☆

خواہش ہے خلا کی، نہ مَلا مانگ رہی ہے
وحشت کوئی امکان، نیا مانگ رہی ہے

ہے 'کیا' کی ستائی ہوئی، ماری ہوئی 'لا' کی
پھر بھی یہ خلش، کوئی خدا مانگ رہی ہے

ہے کوئی! جو سنتا ہو، شبِ تیرہ کی فریاد
یہ رات، سنورنے کو دِیا مانگ رہی ہے

اب کون یہ سمجھے گا، زباں چاہتی کیا ہے
چپ مانگ رہی ہے، نہ صدا مانگ رہی ہے

یارب! یہ مری طرزِ فقیرانہ بھی کیا ہے
شامل میں صدا اپنی، جدا مانگ رہی ہے

☆

اِس قدر غرق، جو دھمّال میں ہیں
میر صاحب بہت جلال میں ہیں

کیا ہے لینا، خوشی و غم سے ہمیں
مست ہیں اور اپنے حال میں ہیں

بے نیازِ حجاب و آئینہ
ہم کہاں اپنے خدّوخال میں ہیں

کر ہی دے گا، وہ بے سوال تمہیں
سب سوالات، جس سوال میں ہیں

لگ رہے ہیں، جو بے خیال سے آپ
کچھ تو کہیے کہ کس خیال میں ہیں

☆

پردہ اٹھا ہوا ہے، تِری آنکھ بند ہے
جلوہ تو آئینہ ہے، تِری آنکھ بند ہے

ہے عقل تیری نشّے میں، ’کیا‘ اور ’کیوں‘ کے دُھت
’کیوں‘ ہے یہاں، نہ ’کیا‘ ہے، تِری آنکھ بند ہے

سب ہے ترا قیاس، تِرا وہم، کیا کہوں
نے ’صفر‘ ہے نہ ’لا‘ ہے، تِری آنکھ بند ہے

تو بس یہ جانتا ہے، کہ سب دیکھتا ہے تو
تو کب یہ جانتا ہے، تِری آنکھ بند ہے

اے محوِ خواب، تیری حقیقت بھی خواب ہے
تو، ’وا‘ سمجھ رہا ہے، تِری آنکھ بند ہے

☆

یہاں جواب بھی گریہ، سوال بھی گریہ
ہماری مستی بھی گریہ، دھمّال بھی گریہ

اگر ہے اشک فشاں، چشمِ آدم و خاتم
تو پھر ہیں ماضی و فردا و حال بھی گریہ

تو بچ کے دیکھ ذرا ، وار کر کے دیکھ ذرا
ہمارا وار بھی گریہ ہے، ڈھال بھی گریہ

ہے دیکھنا مرا چہرہ، تو چشمِ گریہ سے دیکھ
کہ حالِ گریہ سے ہیں، خدّوخال بھی گریہ

لپٹ کے خود سے، میں اپنے غموں کو روتا ہوں
ہے میرے حال کا ،پُرسانِ حال بھی گریہ

☆

ہے فارغ جلوۂ وہم و حقیقت چاہ بھی فارغ
جنوں احساس بھی فارغ خرد آگاہ بھی فارغ

یہی حاصل ہے جب مانگا دیا سب ایک جیسا ہے
نگاہِ بے نیازی میں گدا و شاہ بھی فارغ

نہ غفلت ہے نہ بیداری نہ مستی ہے نہ ہشیاری
طلوعِ مہر بھی فارغ غروبِ ماہ بھی فارغ

صفر کچھ ہے نہ لا کچھ ہے نہ کیوں کچھ ہے نہ کیا کچھ ہے
ہے عقلِ خواہ بھی فارغ دلِ ناخواہ بھی فارغ

ترا دل بے تعقل، بے تفکر، بے تدبر ہے
ہے تیری واہ بھی فارغ ہے تیری آہ بھی فارغ

☆

میں حال میں نہیں ہوں میرے حال پر مَت جا
اسیرِ عقل جنوں کی مثال پر مَت جا

تو اپنے ہونے کو خود اپنے ہی سوال میں ڈھونڈ
رٹے رٹائے جواب و سوال پر مَت جا

سوائے وہم نہیں کچھ نہیں وجود کا ''لا''
نہ کر خیال کا پیچھا خیال پر مَت جا

ثبوتِ وہم میں ہرگز نہ لا حقیقت کو
بیان کرنے کو 'ممکن' محال پر مَت جا

میں تیرے عشق میں خود بن گیا ہوں تُجھ جیسا
مگر میں کون ہوں میری مثال پر مَت جا

☆

''کیا'' ڈھونڈنے میں ''لا'' کا سوال آ گیا ہوگا
ممکن سے گزر کر تو مُحال آ گیا ہوگا

یا کُہنہ خیالات کو دن ہو گئے ہوں گے
یا لے کے کوئی تازہ خیال آ گیا ہوگا

دل قصّۂ مجنوں سے جب اُٹھنے لگے ہوں گے
پھر لے کے جنوں کوئی مثال آ گیا ہوگا

یا طعنہ زناں سنگ زناں تھک گئے ہوں گے
یا تیرے جنوں میں ہی سنبھال آ گیا ہوگا

وہ حال ہُوا ہے دلِ پُر درد کا اِس بار
کہتے ہوئے خود درد کو حال آ گیا ہوگا

مَوت آ گئی ہوگی اُنہیں وہ جی گئے ہوں گے
جب یونہی اُنہیں میرا خیال آ گیا ہوگا

☆

سود کی تہہ میں چُھپا خوفِ زیاں ڈھونڈا کیا
عقل کا مارا یقیں میں بھی گماں ڈھونڈا کیا

میں نہ مرتا زندگی کو ڈھونڈتا گر موت میں
خوف کا مارا نہ جانے میں کہاں ڈھونڈا کیا

اپنی غفلت پر ہنسوں یا روؤں آخر کیا کروں
بھاگ کر خود سے میں اپنا رازداں ڈھونڈا کیا

کس طرح مِلتا بھلا بازارِ ہست و بُود میں
خود ہی سودا ہو کے میں خود کی دکاں ڈھونڈا کیا

میری تنہائی میں پوشیدہ تھی یکتائی مری
اور میں خود کو لامکاں درلامکاں ڈھونڈا کیا

ایک دن یونہی اچانک مل گیا مجھ کو خدا
خود کو دیوانوں کی صورت میں جہاں ڈھونڈا کیا

میرے ذمّے تھا زمیں کو آسماں کرنا نویدؔ
اور میں غافل زمیں پر آسماں ڈھونڈا کیا

☆

کُن کی خلوت نے نہاں سے اک نہاں پیدا کیا
لامکاں نے لامکاں سے لامکاں پیدا کیا

ایک نقطہ ہے کہ جو معدوم و نامعدوم ہے
یہ نہاں پیدا کیا ہے یا عیاں پیدا کیا

خود تو جا کر ہوگیا گُم وقتِ نا معلوم میں
کارواں نے بس غبارِ کارواں پیدا کیا

کر دیا خود ہی اُسے حیرت زدہ کرکے خموش
کُن کی خلوت نے یہاں جو رازداں پیدا کیا

تجھ کو بننا ہے اگر حق الیقیں تو کر سوال
''کیا'' نے ''کیوں'' کی خاک سے تیرا جہاں پیدا کیا

کُن میں جا کر چُھپ گیا وہ اوّل و آخر نویدؔ
جس نے مجھ کو کن سے کُن کے درمیاں پیدا کیا

☆

کس کو جانا ہے حقیقت کسے ''لا'' سمجھا ہے
کچھ تو سمجھا مجھے اے وہم کہ کیا سمجھا ہے

در حقیقت وہ ترا وہم بھی ہوسکتا ہے
جس کو تُو عشوہ و اندازو ادا سمجھا ہے

اُس کے چہرے سے تو کُھلتا نہیں کچھ عشق کا حال
درد سمجھا ہے وہ غم کو کہ دوا سمجھا ہے

اُس کو دیکھا ہے کسی نے تو کسی نے اُس کو
غیب سے آتی ہوئی کوئی صدا سمجھا ہے

اِس میں پوشیدہ مری فکر کا حاصل ہے نویدؔ
تُو حقیقت میں جسے شورِ بُکا سمجھا ہے

☆

خون اگلنے سے نہ فریاد کی حسرت سے نکل
چاہیے داد تو پھر داد کی حسرت سے نکل

پَر جلا دے تجھے درکار ہے پرواز اگر
قید ہو جا پَرِ آزاد کی حسرت سے نکل

اپنی ہستی کو نہ کر اوجِ ثرّیا سے بلند
ہو کے بنیاد تو بنیاد کی حسرت سے نکل

مست ہو جا مرے دل کر کے بہم عقل و جنوں
خود سے مِل حُسنِ پری زاد کی حسرت سے نکل

دل کا ویرانہ تو آباد نہ ہو وے گا کبھی
مان لے خانہء آباد کی حسرت سے نکل

☆

اِس ''ہَا'' اِس ''ہُو'' سے نکل آؤ
اب جام و سبُو سے نکل آؤ

دیکھو یہ باغ تو زنداں ہے
گُل سے خوشبو سے نکل آؤ

دیکھو یہ ہَوا یخ بستہ ہے
دیکھو اِس لوُ سے نکل آؤ

دِن کے افسوں سے دُور بچو
شب کے جادو سے نکل آؤ

کیا فصلِ گُل کیا فصلِ خزاں
اِس چاک و رفو سے نکل آؤ

ہے ''کیا'' کے سفر کا حاصل ''لا''
تُم سُو سے بہ سُو سے نکل آؤ

تم ہی تو ہو اپنے پہلو میں
اپنے پہلو سے نکل آؤ

ہر لمحہ محوِ جست رہو
اِس ''مَیں'' اِس ''تُو'' سے نکل آؤ

☆

خدا سے پُوچھ کہ کیا ہے ہماری تنہائی
کہ بندگی میں خدا ہے ہماری تنہائی

تجھے خبر ہے کہ اِس تہہ میں کتنے ''لا'' گم ہیں
نہ ڈھونڈ ہم کو خلا ہے ہماری تنہائی

جنون، عقل، خرد، جذب، عشق، مستی، ہوش
کسے خبر ہے کہ کیا ہے ہماری تنہائی

ترے خمیر میں ''کیا'' اور ''کیوں'' اِسی لیے ہیں
مِل آ کے ہم سے کہ ''لا'' ہے ہماری تنہائی

یہیں ہے جلوۂ یکتائیِ اَحد کا غیاب
''نہیں'' میں ''ہے'' کا سرا ہے ہماری تنہائی

اِسی اشارے میں پوشیدہ ہر بقا ہے نویدؔ
چھپی ہے جس میں فنا، ہے ہماری تنہائی

☆

شرمندگی ہے اور ہے کیا اپنی بندگی
توبہ سے بھی چُھپی نہ گُنہہ کی برہنگی

کون عقل و دل کو پیش کرے پیشِ حُسنِ یار
کس میں یہ ہوش مندی یہ کس میں دوانگی

دیدار سے بھی دید کی حسرت ہوئی نہ کم
بے پردگی میں بھی رہی درپردہ پردگی

زلفِ ہزار پیچ میں اٹکا ہے جا کے خود
کیا ہے اگر نہیں یہ مِرے دل کی سادگی

خود اپنی ہی تلاش میں گُم ہو گیا ہُوں میں
سیراب کر گئی مجھے میری ہی تشنگی

☆

''کیا'' کو عالم کا تماشا ہی نہیں چاہیے ہے
''کیوں'' کا مطلب ہے کہ ہونا ہی نہیں چاہیے ہے

کبھی قطرہ، کبھی دریا، کبھی قلزم کی طرح
ایک حالت میں تو رہنا ہی نہیں چاہیے ہے

وسعتِ مے کو بھی دیکھیں وہ پسِ تنگیِ جام
جو یہ کہتے ہیں چھلکنا ہی نہیں چاہیے ہے

سنگ بھی چاہیے سر کو کسی ناکامی پر
فقط اِس کو کوئی سودا ہی نہیں چاہیے ہے

درمیاں عشق کے کیا سود و زیاں ہجر و وصال
اِس تصوّر کو تو آنا ہی نہیں چاہیے ہے

☆

کہو معلوم و نہ معلوم سے آگے کیا ہے
عقل کیا چیز ہے مفہوم سے آگے کیا ہے

ہر حقیقت ہے یہاں نقطۂ موہوم میں گُم
نہیں معلوم کہ موہوم سے آگے کیا ہے

اور اک راز نکلتا ہے پسِ پردۂ راز
کچھ نہیں کُھلتا کہ مکتوم سے آگے کیا ہے

وہ جو لکھا نہ گیا کیا ہے قلم سے آگے
لوحِ محفوظ میں مرقوم سے آگے کیا ہے

کیا خبر اُن کو جو ہیں کشتئِ ناز و نیاز
زندگی حاکم و محکوم سے آگے کیا ہے

☆

شعورِ عشق حیرت کے سوا بھی مسئلہ ہے
یہ 'کیوں' بھی مسئلہ ہے اور یہ 'کیا' بھی مسئلہ ہے

کسے اِدراک جلنے اور بجھنے کے عمل میں
دِیا بھی مسئلہ ہے اور ہَوا بھی مسئلہ ہے

جو ہوگا، جو نہ ہوگا، جو بھی ہوگا، اِس سے پہلے
یہ 'ہے' بھی مسئلہ ہے اور یہ 'تھا' بھی مسئلہ ہے

تغّیر پر سے حیرت کا گزر جانے دے عالم
کھُلے گا اُس پہ تب یہ آئینہ بھی مسئلہ ہے

یہاں مجھ مَیں سے مَیں تک مجھ سے مجھ تک دل سے جاں تک
بہم بھی مسئلہ ہے اور جدا بھی مسئلہ ہے

☆

کتنے جواب ہوگئے کتنے سوال ہوگئے
میں بھی نڈھال ہوگیا تم بھی نڈھال ہوگئے

جانے یہ کیا ہُوا مجھے جانے یہ کیا ہُوا تمہیں
میں بھی خیال ہوگیا تم بھی خیال ہوگئے

ممکن پہ کرکے گفتگو امکاں کی بحث چھیڑ کر
میں بھی محال ہوگیا تم بھی محال ہوگئے

میں نے بدل دیا تمہیں تم نے بدل دیا مجھے
میں بھی مثال ہوگیا تم بھی مثال ہوگئے

پردہ اُلٹ کے ہست کا آئینۂ الست کا
میں بھی کمال ہوگیا تم بھی کمال ہوگئے

تم بھی دلیل ہوگئے میں بھی دلیل ہوگیا
میں بھی بحال ہوگیا تم بھی بحال ہوگئے

تُم بھی جلیل ہوگئے مَیں بھی جلیل ہوگیا
میں بھی جمال ہو گیا تُم بھی جمال ہوگئے

☆

ایک سکوت و اک صدا سینہ بہ سینہ نَے بہ نَے
خامہ بہ خامہ لب بہ لب صفحہ بہ صفحہ لَے بہ لَے

بے خبرانِ ہست و نیست ڈوب لیے اُبھر لیے
لمحہ بہ لمحہ دم بہ دم وقفہ بہ وقفہ پَے بہ پَے

کارِ دلی بہ بے دلی مستی بہ قید و بندِ ہوش
مینا بہ مینا خم بہ خم نشہ بہ نشہ مَے بہ مَے

آہِ سرِ لبِ فقیر یعنی حقارتِ حقیر
نفی بہ نفی لا بہ لا ذرّہ بہ ذرّہ شَے بہ شَے

میں جو ہنسا تو رو دیے ہنس جو رہے تھے خود پہ سب
وقت بہ وقت رَو بہ رَو عرصہ بہ عرصہ کَے بہ کَے

☆

کہہ رہا ہے یہ جلال' کہہ رہا ہے یہ جمال
عشق کو نہیں زوال، حُسن کو نہیں زوال

مَیں ہوں خود ہی آئنہ میں ہوں خود ہی حیرتی
عشق یعنی میری تاب حُسن یعنی میرا حال

میں ہوں ایک جسمِ نور، سیلِ برقِ کوہِ طور
حدِّ چشمِ اہلِ دہر میرا جامۂ سفال

دہر کے غروب پر، کب کھلا مِرا طلوع
عقل ہے مِری سرشت، علم ہے مِرا کمال

زندگی ہے میری مَوت' مَوت میری زندگی
بندگی مِری صفت، صاجبی مِرا کمال

''میں'' سے لے کے''تُو'' تلک''تُو'' سے لے کے''میں'' تلک
میں ہوں آپ ہی جواب میں تھا آپ ہی سوال

☆

اے کہ نہایتِ عیاں تیرا حجاب اور ہے
تیرا حضور اور ہے تیرا غیاب اور ہے

اور ہی ہے تِرا زماں اور ہی ہے ترا مکاں
اور ہے تیرا آستاں تیری جناب اور ہے

رکھ نہ سکا یہ آفتاب تیری کتاب پر کتاب
خامۂ فخرِ جبرئیل تیری کتاب اور ہے

بڑھ کے ورائے کوہِ طور کب ہے گیا کوئی شعور
پر تِری چشم اور ہے پَر تِری تاب اور ہے

رہ گئے کھا کے پیچ و تاب منہ نہ دکھا سکے سراب
تیری نمود سے رواں چشمۂ آب اور ہے

☆

ہے شمع شعلے میں گُم اور شعلہ دُود میں گم
یہ بود نیست میں گم ہے کہ نیست بود میں گم

نہ ہونا ہونے میں یا ہونا ہے نہ ہونے میں
وجود عدم میں ہے گم یا عدم وجود میں گم

فنا بقا میں ہے پیوست یا بقا میں فنا
نمود اِن میں ہے گم یا یہ ہیں نمود میں گم

مگر میں کون ہوں اور کیا ہیں یہ زمان و مکاں
میں اِن میں قید ہوں یا یہ مِری حدود میں گم

مشاہدہ چہ دُروں کرد بے نگاہِ بُروں
خرد ہے شاہد و مشہود میں شہود میں گم

کدھر سے دیکھئے، دکھلایئے کدھر سے بھلا
ہے آئنے میں وجود آئینہ وجود میں گم

خبر ہے گل کو تری اے خزاں بہت اب اِسے
نہ چھیڑ دو گھڑی رہنے بھی دے نمود میں گم

☆

جس کو سمجھا تھا عیاں جس کو نہاں سمجھا تھا مَیں
اب میں سمجھا وہ 'نہیں' تھا جس کو 'ہاں' سمجھا تھا مَیں

اِس جہاں کو گو میں سمجھا تھا زمیں تا آسماں
وسعتِ امکانِ آدم پر کہاں سمجھا تھا مَیں

اِس زمانے کو کہ سب منزل سمجھتے ہیں جسے
ایک گم گشتہ زمانے کا نشاں سمجھا تھا میں

ایک وقفے میں نہ جانے کیوں لگی ٹھہری ہوئی
زندگی کو اِک تسلسل میں رواں سمجھا تھا میں

ایک بے سمتی اِنہیں بھی تو لیے پھرتی ہے ساتھ
یہ ستارے جن کو کوئی کارواں سمجھا تھا میں

خود خریدارِ ہوس نکلا دکاں دارِ ہوس
وائے ہو مجھ پر کسے صاحب دکاں سمجھا تھا میں

غور سے دیکھا تو یاد آئی خود اپنی طرزِ ترک
یونہی طرزِ ما کو طرزِ دیگراں سمجھا تھا میں

☆

این شعور و این جنوں کردَد بہ جاں ہر راز فاش
با محمدؐ ہوشیار و با خدا دیوانہ باش

نوعِ آدم خیرہ چشمِ شیشئہ بود و عدم
کرتی رہتی ہے نہ جانے آب وِ گل میں کیا تلاش

بیدِ مجنوں بھی سرِ صحرا ہے بیضائے کلیم
رازِ خاموشیِ محمل دم بہ دم ہے جس سے فاش

خامشی نے توڑ دیں شاید کہ زنجیریں تمام
تھا بہت زنجیر کے غُل سے قفس میں ارتعاش

تابہ جاں دب کر تہہِ سنگِ گرانِ روزگار
الاماں تک آ گئی ہے اِک صدائے دلخراش

اس نے دل پر نیزۂ شامِ تغّیر کھا لیا
پر تنِ صبحِ تغّیر پر نہ آنے دی خراش

☆

آخر یہی ہونا تھا سو دیکھا ہوئے مجنون
وہ پیچ کہاں اور کہاں عقل کے ناخون

معلوم ہُوا کچھ نہیں معلوم کسی کو
کیسا کوئی باہوش کہاں کا کوئی مجنون

تہہ کو نہ وہ معلوم نہ ساحل کو یہ معلوم
وہ اندروں قطرہ ہے کہ دریا ہے وہ بیرون

گر عشق کو مکتب میں ملے عقل کی تعلیم
اور عقل کو مکتب میں ملے عشق کا مضمون

پھر کوئی بتاؤ مجھے مکتب سے نکل کر
مجذوب نہ کیوں عشق نہ کیوں عقل ہو مجنون

☆

بتا مجھے تو اے محدود 'لا' کی حد کیا ہے
بقا کی حد ہے فنا تو فنا کی حد کیا ہے

اگر نہیں ہے خلا تو خلا کے بعد ہے کیا
اگر نہیں ہے خموشی صدا کی حد کیا ہے

تجھے خبر ہے ترے 'ہے' کی حد کہاں تک ہے
مجھے خبر ہی نہیں میرے 'کیا' کی حد کیا ہے

خدا کی حد نہ ہی اقرار ہے نہ ہی انکار
چلو نہیں ہے کہو پھر خدا کی حد کیا ہے

خدا بھی بن کے نہ کیا کیا رہی ہے بے تسکین
خودی کو بھی نہیں معلوم انا کی حد کیا ہے

☆

جو ہے، جو نہ ہوگا، جو نہیں تھا، وہی ہوں مَیں
کیا ہُوں میں جو اِک کیا کا ہے نشّہ وہی ہوں مَیں

اِک کیوں سے جو اِک کیوں کا ہے دوران وہ ہستی
اِک کیا سے جو اِک کیا میں ہے وقفہ وہی ہوں مَیں

کانوں سے جو میں نے نہ سنا میں ہوں وہی شور
آنکھوں سے جو میں نے نہیں دیکھا وہی ہوں مَیں

قطرے سے نہ دریا سے نہ قلزم سے کسی سے
کرتا جو نہیں کوئی تقاضا وہی ہوں مَیں

رہتا ہے جسے اپنا ہی سودا ہُوں وہی سر
کرتا ہے جو بس اپنی تمنا وہی ہوں مَیں

☆

دریا ہوں کہ پیراک ہوں کھُلتا نہیں کچھ بھی
ڈوبا تو بہت کچھ یہاں اُبھرا نہیں کچھ بھی

کیا کھویا ہے ہم بے خبروں کا نہیں معلوم
کیا ڈھونڈ رہے ہیں کہ جو مِلتا نہیں کچھ بھی

اے دل یہاں جب تک مِرا ہونا نہ ہو ثابت
واللہ کسی بات کا ہونا نہیں کچھ بھی

رُک کر یہ کھُلا دل پہ کھُلا دل پہ یہ چل کر
رکنا یہاں کچھ بھی نہیں چلنا نہیں کچھ بھی

دنیا کو خبر ہی نہیں اُس در سے پسِ خاک
کیا لے کے میں آیا ہوں کہ لایا نہیں کچھ بھی

☆

نہیں کھُلا جو ترے دل پہ راز ہونے کا
جواز ڈھونڈ کوئی بے جواز ہونے کا

جواب میں تھی وہی خامشی نہ ہونے کی
نہ دَر ہُوا کسی دستک پہ باز ہونے کا

ہے شانہ تمغۂ بے کارِیِ جنوں کا مقام
نہ سر کشیدہ نہ ہی سرفراز ہونے کا

یہ فرصت و خلش و خامشیِ سینہ نہیں
زباں کو کام ملا ہے دراز ہونے کا

یہاں نہ دخل دے رکھے وہ اپنے کام سے کام
جسے ہو دعویٰ یہاں کارساز ہونے کا

☆

دل سے گزر کے حیرتِ جاں تک تو آگئے
جائیں کہاں اب اور یہاں تک تو آگئے

جو بھی ہو اب عدم کی حقیقت کہ اہلِ عشق
ہے جس جگہ وجود وہاں تک تو آگئے

نظّارہ آپ ہوگیا نظّارگی میں گم
گویا طلسمِ رازِ نہاں تک تو آگئے

اب اے ہوائے گرم انہیں کوبہ کو بکھیر
پروردۂ بہار خزاں تک تو آگئے

اے موجِ حسنِ آب کہاں ہے تری کشش
ہم محرمانِ خاک یہاں تک تو آگئے

☆

اِک بار جو بھی ہوتا ہے ہر بار ہی سے ہے
یہ تازگی کی رَو اِسی تکرار ہی سے ہے

یوں بھی تو دیکھ کشتۂ یکسانیِ تضاد
یہ باغ کشت و خونِ گل و خار ہی سے ہے

گر یہ قفس نہ ہو تو خیالِ چمن کسے
یہ جو خیالِ دَر ہے یہ دیوار ہی سے ہے

ہیں باعثِ طوالتِ صحرا مِرے قدم
یہ جو غبار ہے مِری رفتار ہی سے ہے

فطرت نمود کرتی ہے مجھ سے ہی پوچھ کر
یہ شورِ خامشی مِرے اظہار ہی سے ہے

☆

خامشی باطن میں پوشیدہ خلا ظاہر میں ہے
جانیے کیا اِس سے کیا باطن میں کیا ظاہر میں ہے

ایک ہیں باطن میں اپنے یہ زماں اور یہ مکاں
اِس زماں سے یہ مکاں ویسے جدا ظاہر میں ہے

عالمِ اشیاء کے ہونے کو نگاہِ کُن سے دیکھ
فاصلہ باطن میں کب ہے فاصلہ ظاہر میں ہے

تو نے دیکھا بھی نمودِ گُل سے تامُشتِ غبار
چشمِ حیرت وہ بقا ہے جو فنا ظاہر میں ہے

اِس دوئی میں ہی ہے نظّارے کی یکجائی کا راز
سوچنا باطن میں ہے اور دیکھنا ظاہر میں ہے

زندگی جس سے مسلسل درمیانِ تخم و ابر
کیا خبر باطن میں کیا ہے جو ہَوا ظاہر میں ہے

اپنے باطن میں یہ ہے اک بحرِ بے حدّ و کنار
خامہ پابندِ ردیف و قافیہ ظاہر میں ہے

☆

وہ ارزاں اور کیا ہوگا وہ عنقا اور کیا ہوگا
ہر اِک شے میں جو پنہاں ہے وہ پیدا اور کیا ہوگا

یہاں گر وہ نہیں ہے، گر نہ تھا وہ، گر نہ ہوگا وہ
یہاں پھر اور کیا ہے، اور کیا تھا، اور کیا ہوگا

نظر حاضر تو وہ غائب جو وہ حاضر نظر غائب
چھپانا اور کیا ہوگا دکھانا اور کیا ہوگا

جنوں میں خود کو گر کھویا جنوں میں خود کو گر پایا
تو کھونا اور کیا ہوگا تو پانا اور کیا ہوگا

یہ حیراں ہو کے سر تا پا جنوں کو دیکھنا کیا ہے
بجز یوسفؑ تقاضائے زلیخا اور کیا ہوگا

تجھے دنیا تماشا ہے مجھے تُو خود تماشا ہے
ترا ہنسنا ترا رونا تماشا اور کیا ہوگا

☆

کیا ہوگیا اِس دل کو کچھ اچھا نہیں لگتا
نظّارہ بہ معیارِ تماشا نہیں لگتا

یکسانی سے اِس شوق کی وہ حال ہُوا ہے
سودا بھی تِری زلف کا سودا نہیں لگتا

تہہ میں مجھے کیا چھوڑ گئی تُندیِ امواج
مدت ہوئی دریا مجھے دریا نہیں لگتا

سائے کی طرح ساتھ نہ ہونے کا ہے اندوہ
مجھ کو تو یہ ہونا کوئی ہونا نہیں لگتا

کس عشق میں ہُوں کچھ نظر آتا نہیں جز حسن
کس سطح پہ ہُوں کچھ مجھے گہرا نہیں لگتا

☆

اک موجِ بحرِ خوں میں نہائے ہیں دین و دل
لے کر تری گلی میں ہم آئے ہیں دین و دل

کس خانماں خراب کو ہیں دین و دل عزیز
تو ہے عزیز تجھ پہ لٹائے ہیں دین و دل

ہم محرمانِ عشق کو نادان مَت سمجھ
کچھ سوچ کر ہی ہم نے گنوائے ہیں دین و دل

مَیں وہ قتیلِ عشق ہُوں مَیں ہُوں وہ آدمی
سینے پہ جس کا داغ سجائے ہیں دین و دل

صبحِ وصال میں تھی شبِ کفر درمیاں
مثلِ چراغ دل نے جلائے ہیں دین و دل

☆

بے نشانی کے تحیّر میں نشاں ہوتا ہے
لامکاں باعثِ ایجادِ مکاں ہوتا ہے

دل میں کچھ کچھ ابھی باقی ہے مِرے دل کی سی بات
درد ہوتا ہے تو لگتا ہے کہ ہاں ہوتا ہے

ایسا ہنگامہ ہُوں خود مجھ کو نہیں جس کی خبر
پوچھتا پھرتا ہُوں یہ شور کہاں ہوتا ہے

خیر و شر مَیں نے ہی فطرت میں کیے ہیں داخل
ورنہ فطرت میں یہ ہنگامہ کہاں ہوتا ہے

کس کو آنا ہے کہ دل میں کوئی حسرت نہ رہے
کس لیے خالی مِرے دل کا مکاں ہوتا ہے

☆

طلسمِ شمعِ افسونِ ہَوا کُھلنے سے پہلے تھا
بقا کا شعبدہ رمزِ فنا کُھلنے سے پہلے تھا

کہ پھر تو تھی حیا میں ایک بیبا کی قیامت کی
سمٹ رہنا فقط بندِ قبا کُھلنے سے پہلے تھا

مری خلوت کی مجذوبی میں جو میری طرح گم تھا
کُھلا تو خامشی تھا اور صدا کُھلنے سے پہلے تھا

کُھلا وہ چشم اندر چشم ہے بیدار و خوابیدہ
جو آئینہ در اندر آئنہ کُھلنے سے پہلے تھا

کُھلا بے ابتدا ہے وہ کُھلا بے انتہا ہے وہ
وہ جو لا ابتدا لا انتہا کُھلنے سے پہلے تھا

حضور اُس کے میں سجدہ کر چکا تھا جب کُھلا مجھ پر
وہ بندہ ہی تو تھا وہ جو خدا کُھلنے سے پہلے تھا

☆

پاؤں سے گرد میں صحرا کو نہاں کرتا ہُوں
کیا کہوں وقت کو میں کیسے رواں کرتا ہُوں

خاک سے کِھل کے کبھی خاک میں رَل مِل کے کبھی
گرد کو کرتا ہوں گُل، گُل کو خزاں کرتا ہُوں

میں ہَوا ہوں کہ ادا دُود کہ خاکستر ہُوں
شمع کو شعلہ، پتنگے کو دھواں کرتا ہُوں

وہ کشاکش ہے کہ آتا ہے نہ رکتا ہے یہ دم
کبھی کرتا ہُوں 'نہیں' اور کبھی 'ہاں' کرتا ہُوں

ایسا لگتا ہے کہ میں راہگزر ہُوں شاید
ہر مسافر سے کہانی سی بیاں کرتا ہُوں

☆

خوابِ مفرد نہیں تعبیرِ مرکّب ہے شعور
اپنے اِدراک میں برتاؤ ہے اشیا کے حضور

وہ ہَوا ہو کہ مسافر یہ چراغ ایسا ہے
جب جلایا ہے سرِ دل کوئی آیا ہے ضرور

جوڑ کر ایک ہی عالم میں حدِ خواب و خبر
کوئی زندہ ہے حواسوں کے حجابات سے دور

جلتے بجھتے ہیں جو ناپید و نمودار کے ساتھ
اُن کی آنکھوں کے پیالوں میں دہکتا ہے تنور

جس طرف جاؤ مہ و مہر کی دربانی ہے
کن خلاؤں میں ہوئے آکے ستارے محصور

جھلملاتی ہے وہ خوشبو سرِ مژگاں کچھ دیر
پھر رگ و پے میں اُتر جاتی ہے بُوئے کافور

☆

جو تیری بزم سے دل تھام کر اُٹھا ہے یہ دل
تو آپ اپنی خبر کے لیے چلا ہے یہ دل

لگی وہ سینے سے تاچشم آتشِ من وما
کہ آپ اپنے ہی شعلے سے جل بجھا ہے یہ دل

میانِ عشق وہ گم کردہ راہ ہُوں کہ مجھے
خود اپنے آپ میں کھویا ہُوا ملا ہے یہ دل

اب اِس سے کیا کوئی سمجھے کہ یاں تِری جلوت
خود آپ اپنی ہی خلوت میں دیکھتا ہے یہ دل

نہ گُل میں گُل نہ خزاں میں خزاں نہ ابر میں ابر
یہاں تو رہ کے بھی گویا نہیں رہا ہے یہ دل

☆

کسے معلوم کیا ٹھہرا ہُوا ہے کیا رواں ہے
زماں زیرِ مکاں ہے یا مکاں زیرِ زماں ہے

چلا آتا ہے گُل کے بعد گُل پیہم مسلسل
چمن ہے یا یہ کوئی موجۂ آبِ رواں ہے

مسلسل ہے صدائے کُن جہانِ نَو بہ نَو میں
نہ اوّل ہے نہ آخر ہے نہ کوئی درمیاں ہے

تِرے گاہک فرشتے اور مِرا گاہک بس اک میں
تِرا بازار وہ ہے اور یہ میری دکاں ہے

تُو خنجر آزمائے اور مَیں دل آزماؤں
وہ تیرا امتحاں ہے اور یہ میرا امتحاں ہے

کوئی چہرہ ہے مَیں جس کے تعاقب میں رواں ہوں
کوئی سایہ ہے جو میرے تعاقب میں رواں ہے

☆

کیسی بہار کیسی خزاں کوئی بھی نہیں
بس مَیں ہی مَیں ہوں اور یہاں کوئی بھی نہیں

شامل ہُوں میں بھی سیلِ فنا میں بہ شکلِ موج
یہ بھی ہے اِک نشاں کہ نشاں کوئی بھی نہیں

قامت سے کھینچتا ہُوں زمان و مکاں کا قد
سمجھو کہ مَیں نہیں تو یہاں کوئی بھی نہیں

سارے یقین سارے گماں ایک مجھ سے ہیں
گر مَیں نہیں یقیں نہ گماں کوئی بھی نہیں

لَوٹ آئے اہلِ عشق یہ بازار گھوم کر
جو چاہیے ہے اُس کی دکاں کوئی بھی نہیں

☆

کیا کر رہا ہوں، کیا ہے کیا، کیا کروں گا مَیں
کرنے کے باب میں یہی سوچا کروں گا مَیں

باز آیا آئینے سے، یہ کہتا ہُوں اب تو بس
منہ دیکھنے کو آئنہ دیکھا کروں گا مَیں

صحرا کو جس خیال سے بستی بناؤں گا
بستی اُسی خیال سے صحرا کروں گا مَیں

بے معنیِ جہاں کو ہے کیا کیوں لگی ہے ساتھ
معنی تو اپنے واسطے پیدا کروں گا مَیں

پردے کے اُٹھنے پردے کے گرنے کے درمیاں
تم دیکھنا کہ کوئی تماشا کروں گا مَیں

☆

یہ نہ پوچھو کیا نہ سمجھا اور کیا سمجھا تھا مَیں
کچھ نہ سمجھا تو اُسے اپنا خدا سمجھا تھا مَیں

دنگ ہوں جب سے ہوا کی کارفرمائی کھُلی
سانس لینے کو ہَوا کی انتہا سمجھا تھا مَیں

یوں سمجھ لیجے کہ سمجھا تھا بقا اندر بقا
اِس جہاں کو جو فنا اندر فنا سمجھا تھا مَیں

میرے بس نے مجھ پہ کھولے بے بسی کے زاویے
ہائے اپنے خط کو خطِّ اِرتقا سمجھا تھا مَیں

میں تو سمجھا ہُوں قیامت اِک ہنسی کا نام ہے
تم پہ جب گزرے گی سمجھو گے بجا سمجھا تھا مَیں

☆

ہر طرف ایک صدا کوئی یہاں ہے کہ نہیں
از خلا تا بہ خلا کوئی یہاں ہے کہ نہیں

خود سے جب تک نہ مِلا تھا تو یہاں تھا کوئی
اب خبر ہے نہ پتا کوئی یہاں ہے کہ نہیں

کیسی حسرت ہے کہ ہر شے سے فنا سے پہلے
پوچھتی ہے یہ فنا کوئی یہاں ہے کہ نہیں

کیا مٹے حسرتِ دل ہر کوئی حسرت سے ہے کم
میری حسرت سے سوا کوئی یہاں ہے کہ نہیں

موج در موج ہے یہ سیلِ طلسمِ اشیا
اِس تلاطم سے جدا کوئی یہاں ہے کہ نہیں

☆

اُس بزم میں بھی اپنی ہی خلوت میں رہے ہیں
آئینہ تھے آپ اپنی ہی حیرت میں رہے ہیں

اِک پَل کو سر اُٹھا بھی نہیں کارِجنوں سے
کیا جانیے کس طرح کی فرصت میں رہے ہیں

یہ آئینہ خانہ بھی کوئی دامِ جنوں ہے
حیرت سے جو نکلے ہیں تو وحشت میں رہے ہیں

ہم کشتۂ حیرانی و صد کشتۂ وحشت
انگشت بہ لب کوچۂ عبرت میں رہے ہیں

اے عشق تِری حدِّ خدائی کو بھی چُھو لیں
اب دن ہی یہاں کتنے قیامت میں رہے ہیں

رکھا نہیں تکیے پہ سر اِک پل کو سَرا میں
اِک شب کے مسافر بڑی عجلت میں رہے ہیں

اپنے ہی طلب گار ہیں ہم خلوتیِ ذات
کب اور کسی حسن کی مِنّت میں رہے ہیں

☆

روانہ ہُوں سفرِ دل کڑا اگر ہے تو کیا
کہ مَیں تو ہُوں وہ نہیں ہے تو کیا اگر ہے تو کیا

یہ گھر نہیں ہے کسی دشت کا بگولا ہے
بسا نہیں ہے تو کیا ہے بسا اگر ہے تو کیا

مِری طرح یہ پیالہ فقط پیالہ ہے
بھرا نہیں ہے تو کیا ہے بھرا اگر ہے تو کیا

کوئی بتاؤ یہ سبزہ ہرا بھرا سبزہ
ہرا نہیں ہے تو کیا ہے ہرا اگر ہے تو کیا

کسی بھی صاحبِ حالت سے حالِ بے حالت
کہا نہیں ہے تو کیا ہے کہا اگر ہے تو کیا

کسی نے مجھ سے ٹھکانے سے میرا حالِ تباہ
سُنا نہیں ہے تو کیا ہے سُنا اگر ہے تو کیا

وہ دل جو سینۂ مفلس میں ہو وہ دل سرِ شام
بجھا نہیں ہے تو کیا ہے بجھا اگر ہے تو کیا

کہاں سے آئے ہیں جانا کہاں ہے ہم ہیں کہاں
پتا نہیں ہے تو کیا ہے پتا اگر ہے تو کیا

وہ ایک گل سرِ شاخِ عدم برائے وجود
کِھلا نہیں ہے تو کیا ہے کِھلا اگر ہے تو کیا

مفر نہیں ہے اگر موت سے تو موت کا راز
کُھلا نہیں ہے تو کیا ہے کُھلا اگر ہے تو کیا

اب اُس مقام پہ ہے یہ جنوں کہ ہوشِ جنوں
بجا نہیں ہے تو کیا ہے بجا اگر ہے تو کیا

جو زندگی نہیں اپنی تو زندگی کا حق
ادا نہیں ہے تو کیا ہے ادا اگر ہے تو کیا

شعاعِ نور ہو جس تن کے گِرد اُس تن پر
قبا نہیں ہے تو کیا ہے قبا اگر ہے تو کیا

یہاں پہ رہ کے جو کرنا تھا کام ہم سے وہ کام
ہُوا نہیں ہے تو کیا ہے ہُوا اگر ہے تو کیا

☆

بات جو درد میں ہے درد کے درماں میں نہیں
بس وہی تیری نہیں میں ہے تیری ہاں میں نہیں

ہاں کوئی گم ہو کوئی ٹوٹے کوئی ضائع ہو
ہائے ایسی کوئی شے یاد کے ساماں میں نہیں

روک لیتا ہوں نکلتی ہوئی گالی پسِ لب
آسماں اِس سے زیادہ مِرے امکاں میں نہیں

جتنا ساماں تھا اکٹھا وہ لگا کاٹھ کباڑ
جب یہ دیکھا کہ مِری عمر ہی ساماں میں نہیں

قیس نے دے دی بیاباں کو جو اپنی تنہائی
گم ہے اب اُس میں بیاباں وہ بیاباں میں نہیں

☆

مت سوچ کہ جلوت میں کہ خلوت میں ملیں گے
ہم جب بھی ملیں گے اِسی وحشت میں ملیں گے

جا دشت میں کر اُن کو تلاش اے نگہِ دہر
ہشیار وہی ہوں گے جو غفلت میں ملیں گے

ایسا ہے کہ اُس انجمن آرا کا تکلّف
دیکھیں گے کسی روز جو خلوت میں ملیں گے

یاد آئے گا جس حال میں بھی جب وہ اچانک
پھر دیر تلک ہم اُسی حالت میں ملیں گے

وہ چشم و لب و ابرو و رخسار و قد و زلف
کثرت میں ملیں گے کبھی وحدت میں ملیں گے

آئینے میں کیا ڈھونڈتی ہے اب نگہِ دہر
جو کھو گئے آئینے میں حیرت میں ملیں گے

☆

کیا کہیے قیس بھی نہیں فرہاد بھی نہیں
عاشق تھا کس کا نام یہ اب یاد بھی نہیں

رکھتے ہیں لب تو لیجئے کچھ لب سے کارِ لب
نغمہ اگر نہیں ہے تو فریاد بھی نہیں

گویا کسی طرح وہ نہ آیا بروئے کار
جو صید بھی نہیں ہے جو صیّاد بھی نہیں

کیوں دخل دے جہاں کے سیاہ و سپید میں
وہ دل جو قید بھی نہیں آزاد بھی نہیں

محفل میں ہم سے قصۂ بربادیِ حیات
وہ کہہ رہا ہے ہائے جو برباد بھی نہیں

اپنا لکھا ہی کاٹ کے دیتا ہوں خود کو داد
گویا یہ داد قابلِ بے داد بھی نہیں

☆

گناہگار ہوئے اور پاکباز رہے
کہ ہم غبار میں بھی آئینہ طراز رہے

یہ مہر و ماہ کی گردش یہ چرخیوں کے نظام
مِرے سبب ہیں کہ میرا کوئی جواز رہے

مِلا رہا ہے کوئی یوں حدِ وجود و عدم
کہ حشر تک نہ کوئی اِن میں امتیاز رہے

دلوں کے بیچ عجب ربطِ غائبانہ ہے
یہ کارِ حسن ہے کیسے یہ بات راز رہے

بَلا کشانِ جنوں حُسن کی حضوری میں
وہ ناز تھے کہ جو سر تا قدم نیاز رہے

☆

اشک آتا ہے جو اب خون سے تر آتا ہے
چشمِ گریاں تِری حالت سے تو ڈر آتا ہے

کیا مسافت ہے کہ صحرا بھی نہیں دُور تلک
مجھ سے کہتے تھے کہ اِس راہ میں گھر آتا ہے

چشمِ بیتاب ذرا صبر کہ وہ منظرِ جاں
جب نظر کچھ نہیں آتا تو نظر آتا ہے

ایسی خلوت ہے کہاں آئنہ حیراں ہے بہت
کوئی جاتا ہے کہیں جا کے سنور آتا ہے

سر سے مقتل میں کہاں سر کی حقیقت کو فروغ
سر کٹانے سے یہاں دوش پہ سر آتا ہے

☆

جب خدا ہی نہیں پھر فائدہ کیا ہونے سے
میرے ہونے کا تو مصرف تھا خدا ہونے سے

سانس ہی جب نہ بچے گا تو پھر اے حسرتِ دل
کیا بچے گا جو بچالیں گے فنا ہونے سے

جب خدا سے بھی خلا پُر نہ ہُوا سینے کا
میں بھی ''لا'' ہوگیا سینے میں خلا ہونے سے

کائنات اور ہے کچھ اور کہ یہ ہنگامہ
نہ تو کرنے سے ہُوا اور نہ ہُوا ہونے سے

اپنی ہی شعلہ نوائی سے نہ جلتا اے کاش
روکتا کوئی مجھے شعلہ نوا ہونے سے

☆

اب نظر آ کہ تھک رہا ہوں میں
کب سے آئینہ تک رہا ہوں میں

جامۂ اصلِ عشق ہُوں لیکن
آہ کیسا مسک رہا ہوں میں

کچھ تو بیٹھے یہ گردِ دشتِ ازل
اپنا دامن جھٹک رہا ہوں میں

آئینہ سا وہ رُو بہ رُو ہے مِرے
اور پلکیں جھپک رہا ہوں میں

آ گئی ہے زباں میں لکنتِ عشق
بات کرتے اٹک رہا ہوں میں

وہ گُلِ شاخِ یاسمین و سمن
اُسے چھو کر مہک رہا ہوں میں

سوچ کر عیشِ قربتِ شبِ وصل
شام ہی سے دہک رہا ہوں میں

یاد کر تُو کبھی ترے دل میں
بن کے کوئی کسک رہا ہوں میں

☆

وہ ڈوبے رہنے کی حالت ہی چھین لی مجھ سے
تِرے وصال نے خلوت ہی چھین لی مجھ سے

تجھے نہ ہوگی خبر ہاں تجھے نہ ہوگی خبر
قریب ہونے نے قربت ہی چھین لی مجھ سے

نہیں ہے سنگ کوئی سر کے واسطے تہہِ زلف
کہ اِس سکون نے وحشت ہی چھین لی مجھ سے

پڑی وہ خامشی دل پر کہ اِس خموشی نے
کلام کرنے کی طاقت ہی چھین لی مجھ سے

یہ آئینہ ہے یہ میں ہوں وہ وقت ہے جس نے
نگاہ کرنے کی فرصت ہی چھین لی مجھ سے

تری نگاہ سے تاخیر وہ ہوئی ہے کہ بس
دلِ تباہ نے عجلت ہی چھین لی مجھ سے

☆

اِس درد کو خیالِ دوا کچھ تھا کچھ نہ تھا
تھا تو مگر تڑپ میں مزا کچھ تھا کچھ نہ تھا

اُس حُسنِ مہرِ نیم رُخ و نیم روز سے
اِس چشمِ نیم وا کو گلہ کچھ تھا کچھ نہ تھا

تھا ناوکِ مژہ کا ہر اِک تیر نیم کش
ہر زخمِ نیم شوق ہرا کچھ تھا کچھ نہ تھا

ہاتھوں میں زندگی کے سرے کچھ تھے کچھ نہ تھے
اندازۂ فنا و بقا کچھ تھا کچھ نہ تھا

شک و یقیں، مجاز و حقیقت، جنون و عقل
کیا اِن کے درمیاں ہے پتا کچھ تھا کچھ نہ تھا

دوڑا کیے اضافی و مطلق کے درمیاں
اندازۂ خلا و ملا کچھ تھا کچھ نہ تھا

☆

جہاں جہاں میں گیا میہماں کی طرح گیا
قدم کی طرح سے آیا نشاں کی طرح گیا

عجب وہ لمحۂ تخلیق تھا کہ مکتب سے
یقیں کی طرح میں اُٹھا گماں کی طرح گیا

اکیلا تھا مگر اِس دشت کی خموشی سے
کلام کرتا ہُوا کارواں کی طرح گیا

جو دھیان کرتا تو تصویر تھا تصوّرِ حُسن
یہ دل ہی سہل تھا کچھ بے دلاں کی طرح گیا

اُسی کنارے پہ وہ موجِ آب تڑپا کی
وہ جس کنارے سے میں نیم جاں کی طرح گیا

☆

اشکِ بے وجہ پرونے کا مقام آ ہی گیا
چشمِ فرصت ترے رونے کا مقام آ ہی گیا

اہلِ میزاں تھے کہ تولا ہی کیے بارِ وجود
تولتے تولتے ڈھونے کا مقام آ ہی گیا

خاک اُڑاتے ہوئے سیلابِ فنا میں آخر
موجِ ہستی کے ڈبونے کا مقام آ ہی گیا

خود میں رہیے کہ گزر جایئے اب خود پر سے
جو بھی ہونا ہے وہ ہونے کا مقام آ ہی گیا

دار و زہراب و قفس، سنگ و تبر کیا کہیے
عشق میں فیصلہ ہونے کا مقام آ ہی گیا

☆

سرسبزیِ نظارہ میں کیا کیا تَری رہی
شاخِ مژہ بہ منّتِ گریہ ہری رہی

نکلی نہ دل سے حسرتِ دل، گھُٹ گئی یہ جاں
چھاتی پہ ایک سِل سی ہمیشہ دھری رہی

قدموں کے ساتھ ساتھ رہا حلقہء جنوں
آنکھوں کے آگے آگے وہی اِک پری رہی

یہ کس کا ہجر میں نے اُٹھایا کہ عمر بھر
سینے میں آگ، آنکھ میں وحشت بھری رہی

برسا وہ ابرِ وصل کہ بوندوں کے شور سے
تا دیر میرے دل میں عجب تھرتھری رہی

☆

یہ تیرے جلوے کی تاب اور یہ حجاب کا ہوش
یہ ہے حضور کی مستی یہ ہے غیاب کا ہوش

مِرا جنوں جو گریباں کے ہوش سے گُزرا
نہیں رہا ترے جلوے کو بھی نقاب کا ہوش

کہاں ملے گا کسی کو مجھ ایسا مست الست
کہ جس کو دیکھ کے اُڑ جائے خود شراب کا ہوش

وہ ابتدا ہے کہ جس کی نہ انتہا ہو کوئی
وہی سوال ہے جو گم کرے جواب کا ہوش

بھلا ہُوا کہ حقیقت نے کر دیا بیدار
وگرنہ خواب میں ہوتا کہاں ہے خواب کا ہوش

☆

کب گزرتا ہوں میں اُس رہ سے گزر جانے کو
چاہیے کوئی بہانہ تو ٹھہر جانے کو

وہ بکھیرا ہے جو سمٹے نہ سمٹ پائے گا
وہ سمیٹا ہے کہ جو ہے ہی بکھر جانے کو

جانے آئے تھے کدھر سے وہ کدھر جا پہنچے
وہ جو نکلے تھے نہ معلوم کدھر جانے کو

کیا کہوں عالمِ بے تابیِ تصویر کہ بس
رنگ بے چین ہیں تصویر میں بھر جانے کو

عشق گر زمزمہ پیرائیِ جلوت ہے تو کیا
حسن آئینۂ خلوت ہے سنور جانے کو

☆

گھر کی ویران منڈیروں پہ دیا رکھنے سے
کوئی آتا نہیں دروازہ کھلا رکھنے سے

حُسنِ عُریاں ہو تو پھر عشق میں رکھّا کیا ہے
یہ تجسس ہے فقط بندِ قبا رکھنے سے

ہاں وہ رسوائی تھی اِک عشق میں لُٹ جانے کی
اب جو عزت ہے وہ پندار بچا رکھنے سے

سب نے دیکھا مِرا چہرہ یہ کسے عِلم ہوا
آنکھ پتھرا گئی اِک اشک چھپا رکھنے سے

جب نہ رکھتا ہو کوئی اپنے پڑوسی کا خیال
فائدہ کیا ہے یہ دیوار مِلا رکھنے سے

ایک تو راہ کُھلی خاک نشینوں کے لیے
آسمانوں کو زمینوں پہ کُھلا رکھنے سے

☆

نہ کہ یہ تیر و تبر مجھ پہ چلائے جاتے
میں تو وہ ہُوں کہ مِرے ناز اُٹھائے جاتے

ایک اِک کرکے وہ ہر زخم پہ رکھتا مرہم
ایک اِک کرکے اُسے زخم دکھائے جاتے

دشت میں ڈھونڈنے نکلے تھے بہت ہم خود کو
کھو ہی جاتے نہ اگر آپ میں پائے جاتے

راہِ وحشت میں کوئی بار تو کم ہونا تھا
سنگ و سر کب تلک اِک ساتھ اُٹھائے جاتے

ہم کو حسرت رہی اُس بزم میں جا کر کبھی ہم
بیٹھتے تو سہی پھر چاہے اُٹھائے جاتے

☆

آگے پھر اُس سفر کا ارادہ نہیں ہوا
یا تجھ پہ خود بحال وہ رستا نہیں ہوا

پیدا ہوئے ہیں خار بھی اے گردشِ نمود
مجھ میں فقط گلاب ہی پیدا نہیں ہوا

کچھ تھا کہ دل میں جس کے نہ ہونے سے تھی خلش
ویسے تو اُس کے وصل میں کیا کیا نہیں ہوا

جب بھی ہُوا یہ دیدۂ دل وا یہی کھُلا
پنہاں نہیں ہے وہ کہ جو پیدا نہیں ہوا

محرومیوں کا بوجھ اُٹھائے میانِ خلق
مَیں مَر گیا کہ مَیں ابھی زندہ نہیں ہوا

انسان کِبر و حرص کی یہ حالتیں لیے
اچھا ہوا کہ آگ سے پیدا نہیں ہوا

☆

پوچھا نہ کبھی حال جنوں نے نہ پری نے
رکھی ہے خبر میری بہت بے خبری نے

اِک جا کیا نازک مجھے شیشے سے زیادہ
اِک جا کیا پتھر تری بے داد گری نے

اب دُھول ہے سب منظرِ نَو ہو کہ کہن ہو
حیرت ہی مِری چھین لی یاں در بہ دری نے

یاں محو تھا میں رقص میں بازار تھا واں گم
جس وقت جنوں تھا مجھے دیکھا نہ پری نے

خاکسترِ شب صبح کو محسوس کی خود میں
پھر مُوند لی آنکھ اپنی چراغِ سحری نے

کشکول کہ خالی ہُوا جاتا ہے طلب سے
عالم یہ دکھایا مجھے کیا بے اثری نے

☆

لے ہی آیا جنوں آخر کو برابر کی خبر
ہے جو اندر کی خبر ہے وہی باہر کی خبر

مَیں تو ہوتا ہوں بیاباں میں پسِ بے خبری
ایک وحشت ہے کہ رکھتی ہے مِرے گھر کی خبر

محوِ حیرت ہیں تماشے پہ بہت ماہی و موج
قطرہ لایا ہے تہہِ آب سے گوہر کی خبر

سنگ سے چاہے دبے تیغ سے چاہے کٹ جائے
وہ جنوں ہے کہ کوئی کیسے رکھے سَر کی خبر

ایسی عُریانی ہے سب ہوش لیے جاتی ہے
کیا رکھیں تن کی خبر کیا رکھیں چادر کی خبر

☆

یہ جانتا ہوں ہزیمت رہِ بتاں سے ملی
مجھے یہ صبر کی طاقت مگر کہاں سے ملی

ملی اُسے بھی کلیدِ نشاطِ روح و نفس
اُسے بہار سے لیکن مجھے خزاں سے

ملی اُسے بھی کلیدِ وجود و عشق مگر
مجھے زمیں سے ملی اُس کو آسماں سے ملی

حیات لاش تھی گویا کسی سمندر کی
کہاں تلاش کیا تھا ہمیں کہاں سے ملی

ہر ایک موڑ پہ تنہائی ہجر کر لائے
متاعِ قرب وہیں کھو گئی جہاں سے ملی

کیا تھا جس پہ کبھی ہم نے رفتگاں کو تلاش
وہ رہگزر بھی رہِ رنجِ رائیگاں سے ملی

☆

جہاں نہیں ہے کوئی واں پکار جاتے ہیں
کہاں کا وقت کہاں پر گزار جاتے ہیں

یہی لکھو کہ جہاں گم ہُوا ہے شہزادہ
وہیں سے ڈھونڈنے اُس کو سوار جاتے ہیں

بہار پَل میں گزرتی ہے پھر ستارہ وار
مِری فضا سے نقوشِ بہار جاتے ہیں

اُٹھا دیا ہے مگر اُٹھ کے تیری محفل سے
یہ ہم چلے کہ تِرے اعتبار جاتے ہیں

یہ دستِ شب ہی بناتے ہیں گورِ نادیدہ
پھر اُس میں جسم کا سایہ اُتار جاتے ہیں

☆

ہم تیرے حسن کی ہیبت میں بس چاند کو تکتے جاتے ہیں
اور رات گزرتی جاتی ہے تارے بھی سرکتے جاتے ہیں

ہم ذات کے اس مَے خانے سے ہم اِس آئینہ خانے سے
پیالہ ہیں چھلکتے جاتے ہیں چہرہ ہیں جھلکتے جاتے ہیں

اپنی ہی طلب کی حدّت سے اپنی ہی پیاس کی شدّت سے
کاسہ ہیں چٹخنے جاتے ہیں کوزہ ہیں درکتے جاتے ہیں

اپنی ہی نوا میں جل جل کر اپنے ہی لہو میں دُھل دُھل کر
کندن ہیں دمکتے جاتے ہیں موتی ہیں چمکتے جاتے ہیں

ہر صبح ہم اپنی جلوت میں ہر شام ہم اپنی خلوت میں
خوشبو سا مہکتے جاتے ہیں شعلہ سا دہکتے جاتے ہیں

راتوں سے گھنی اُن زلفوں سے مرمر سے سبک اُن ہاتھوں میں
آنچل ہیں سرکتے جاتے ہیں گجرا ہیں مہکتے جاتے ہیں

وہ لہر گئی بچپن بھی گیا اِس ہاتھ سے وہ دامن بھی گیا
اب اپنی آنکھ کا آنسو ہیں مٹی میں ڈھلکتے جاتے ہیں

وہ عُمر خلش کی بیت گئی جب عشق میں کوئی غیر بھی تھا
اب یہ ہے کہ اپنے دل میں ہم خود آپ کھٹکتے جاتے ہیں

☆

اسیرِ وقت ہیں قیدِ زُلیخائی سے گزرے ہیں
دھڑکتا دل لیے صحرا کی تنہائی سے گزرے ہیں

کسی کو کیا خبر کس طرح ہم نے خود کو رَوندا ہے
خود آرائی سے پہلے کیسی خود رائی سے گزرے ہیں

جو خلوت کو گزار آئے ہیں یہ ہے انجمن اُن کی
یہاں وہ مل کے بیٹھے ہیں جو یکتائی سے گزرے ہیں

خرد سر تھام کر گزری، جنوں دل تھام کر گزرا
مسافر کب سلامت کوئے تنہائی سے گزرے ہیں

کہاں کی بُردباری سر پہ اِک آسیبِ وحشت تھا
یہ ہم جو خامشی سے دشتِ گویائی سے گزرے ہیں

☆

رنگِ عریاں تجھے پیراہنِ تصویر سے کیا
حد میں آیا ہے جنوں بھی کبھی زنجیر سے کیا

گھر میں سوئی ہوئی ویرانی جگادی اُس نے
اور ہوتا بھی بھلا حسرتِ تعمیر سے کیا

آنکھ کُھلنا ہی قیامت ہے تمنائے وجود
ورنہ اے خوابِ حقیقت تجھے تعبیر سے کیا

میرا آہنگِ خموشی نہیں منّت کشِ ساز
ہوں لبِ ساکتِ حیرت مجھے تقریر سے کیا

وصل کو ہجر کو ہو عجلت و تاخیر کی فکر
کارِ وحشت کو مگر عجلت و تاخیر سے کیا

☆

وہ اور ہوں گے جنہیں ہوگی تیرے حسن کی چاہ
مجھے تو حسن نہیں دیکھنا ہے تابِ نگاہ

اِسی تلاش نے بے رنگ کردیا ہے مجھے
وہ رنگ کیا ہے کہ جس سے بنے سپید و سیاہ

کہاں کے دَیر و حرم اور کہاں کے بادہ و زلف
اگر ملی تو بالآخر مجھی میں مجھ کو پناہ

ندا یہ آئی کہ چل اب سفر ہوا آغاز
یہ وہ جگہ تھی جہاں ختم ہوگئی تھی راہ

یہ سر ہی بار ہے ہم اہلِ عشق کو تن پر
نہیں فراغ کے سر پر اُٹھائیں بارِ کُلاہ

☆

یہ میری عمر ترا انتظار کرتے ہوئے
گزر رہی ہے خزاں کو بہار کرتے ہوئے

اُدھڑ گیا مِرا سینہ اُکھڑ گیا مِرا دم
سرائے عمر میں سانس استوار کرتے ہوئے

تمام عمر بس اِک آہ کھینچتے گزری
نہ زخم بھرتے نہ اُن کو شمار کرتے ہوئے

رگِ گلو سے میں خنجر کو کاٹ سکتا تھا
یہ اختیار تھا صبر اختیار کرتے ہوئے

جو اِس کنارے پہ 'مَیں' تھے نہ اُس کنارے پہ 'تُو'
وہ خود میں ڈوب گئے خود کو پار کرتے ہوئے

☆

اب کیا کہے کوئی ہے لبوں پر صدا کا دَم
وہ حبس ہے کہ گھٹنے لگا ہے ہوا کا دَم

بیگانۂ خودی کہاں جائے کرے تو کیا
ہے ایسی بے خودی میں غنیمت خدا کا دَم

جز زورِ دست و بازوئے قاتل کسے خبر
اِس ناتوانِ عشق میں ہے کس بلا کا دَم

دل کا تو بس تمام کیا بے دلی نے کام
نکلا نہ بے وفائی کے دُکھ سے وفا کا دَم

تم یوں بنا بتائے اچانک جو آگئے
لوٹ آیا پھر سے سینے میں گھر کی فضا کا دَم

☆

ترے عُشّاق در پردہ حجابِ دل اٹھاتے ہیں
کہ دستِ ناتواں سے پردۂ محمل اٹھاتے ہیں

کبھی تو پوچھ غوغائے سگاں کے درمیاں کیسے
صدا کا بارِ خاموشی ترے سائل اٹھاتے ہیں

اٹھاتے ہیں جو اک ذرّہ زمینِ کوچۂ دل سے
وہ گویا وسعتِ آفاق کا حاصل اٹھاتے ہیں

یہ تیرے زرد رُو عریانیِ شمشیر کے عاشق
ہزار انداز سے اک منّتِ قاتل اٹھاتے ہیں

کہیں کس سے یہاں کوئی نہیں ہے داد گر اپنا
کہ ہم نظّارہ گہ سے آہ! چشم و دل اٹھاتے ہیں

☆

اس 'مَیں' کی اور 'تُو' کی محفل میں تم ہی تم تھے
جس دل میں مَیں ہی مَیں تھا اُس دل میں تم ہی تم تھے

میں اپنی 'میں' سے 'تُو' کو تقسیم کر رہا تھا
دیکھا جو گوشوارہ حاصل میں تم ہی تم تھے

جب 'مَیں' نہ 'تُو' ہوا تھا جب 'تُو' نہ 'مَیں' ہوا تھا
صحرا میں مَیں ہی مَیں تھا محمل میں تم ہی تم تھے

اب کوزہ ہے کہ 'مَیں' ہوں اب کوزہ ہے کہ 'تو' ہے
جب چاک مَیں ہی مَیں تھا جب ِگل میں تم ہی تم تھے

اُس عشق کے سفر کو مَیں کیا کہوں کہ جس میں
راہوں میں مَیں ہی مَیں تھا منزل میں تم ہی تم تھے

☆

نُطق زباں میں کہاں سے آیا
نکتہ بیاں میں کہاں سے آیا

کہاں سے آیا زماں زماں میں
مکاں مکاں میں کہاں سے آیا

نہاں میں کیسے نہاں ہوا گم
عیاں عیاں میں کہاں سے آیا

سود میں آیا سود کہاں سے
زیاں زیاں میں کہاں سے آیا

یقیں میں آیا یقیں کہاں سے
گماں گماں میں کہاں سے آیا

سیدھ میں آئی سیدھ کہاں سے
لوچ کماں میں کہاں سے آیا

دل میں بات کہاں سے آئی
اثر زباں میں کہاں سے آیا

کہاں سے نِکلوں یاد نہیں جب
میں زنداں میں کہاں سے آیا

☆

سورج کی طرف پُشت عجب ہے کہ نہیں ہے
بیدارِ سحر راندۂ شب ہے کہ نہیں ہے

ہاتھ اُس نے رکھا دل پہ اور آہستہ سے پوچھا
جو دل میں ترے درد تھا اب ہے کہ نہیں ہے

مانا کہ تماشے میں نہیں وجہِ تماشا
یہ بے سببی بھی تو سبب ہے کہ نہیں ہے

اپنی بھی تمنا اِسے تیری بھی تمنا
اِک دل پہ یہ دو طرفہ غضب ہے کہ نہیں ہے

یہ زندگی بیکار ہے معلوم ہے ہم کو
پھر بھی اِسے جیتے ہیں یہ ڈھب ہے کہ نہیں ہے

ہم نے جو کہا اس کو سند مانو نہ مانو
ہم نے جو لکھا ہے وہ ادب ہے کہ نہیں ہے

☆

نظّارۂ جمالِ رُخِ یار جب ہُوا
گوشے سے شب کے چاند نمودار جب ہُوا

اِک ہیبتِ جمال تھی گویا نقابِ دید
دیدار جب نہیں ہُوا دیدار جب ہُوا

وہ حسن بے نیاز ہُوا تب ادا بنا
اظہار جب نہیں ہوا اظہار جب ہُوا

میں بے نیازِ خواب و حقیقت ہوں اے نگاہ
بیدار جب نہیں ہُوا بیدار جب ہُوا

گر درمیانِ منفی و اثبات ہے انا
اقرار جب نہیں ہُوا اقرار جب ہُوا

اُس بت کا میرے خوف سے میرے جلال سے
انکار جب نہیں ہُوا انکار جب ہُوا

☆

زندگانی نہ رائیگاں ہو جائے
رائیگانی نہ امتحاں ہو جائے

پوچھ بیٹھا ہے پھر کوئی مِرا حال
چشم سے پھر نہ خوں رواں ہو جائے

کہہ مِری طرح داستانِ سکوت
خامشی سے اگر بیاں ہو جائے

خوش گماں ہو کے اِس یقین سے دل
ہر گماں سے نہ بے گماں ہوجائے

کس میں ہمّت اَماں تلاش کرے
کس میں ہمّت کے بے اماں ہوجائے

دل کو ہے لذّتِ سوال بہت
نہیں ہوجائے اب کہ ہاں ہوجائے

☆

رستے میں بیٹھے بیٹھے کسی انتظار کے
اب کے بھی دن گزر گئے یونہی بہار کے

مجھ میں ادھوری 'مَیں' ہے ادھوری سی 'تُو' میں گم
چپ ہو گیا ہے کون یہ مجھ کو پکار کے

خوش ہوں کہ اب تو ہوگی ترے جبر کی بھی بات
چرچے تو ہو رہے ہیں مِرے اختیار کے

ہاں جانتا ہے عشق کا سودا جو سَر میں ہے
آگے کئی چلے گئے سَر مار مار کے

اِس زندگی نے بھی نہ کیا در کوئی تلاش
اِس مَوت نے بھی خواب نہ دیکھے مزار کے

☆

معلوم تھا یہ عشق کو سر جانے سے پہلے
جینے کیلئے مرنا ہے مر جانے سے پہلے

میں تجھ میں ہی موجود ہوں آئینے کی صورت
تو کیسے یہ سمجھے گا سنور جانے سے پہلے

دل نے تِرے ہونے کی خبر پہلے ہی دے دی
غافل سی نظر میری اُدھر جانے سے پہلے

کِھل جانے سے پہلے تھا میں خود اپنی بہار آپ
خود اپنی خزاں تھا میں بکھر جانے سے پہلے

بکھرا تو بس اِک 'کیا' کے سوا کچھ بھی نہیں تھا
شیرازہ تھا میں اپنے بکھر جانے سے پہلے

☆

اک کارِ بے دلی تھا جو کرنا پڑا مجھے
یعنی جیے بغیر ہی جینا پڑا مجھے

اے خالقِ حیات! تو کیا مَوت کے لیے
احسان زندگی کا اُٹھانا پڑا مجھے

جینے کو خیر کیا نہ کیا میں نے عمر بھر
مرنے کو ہائے کچھ بھی نہ کرنا پڑا مجھے

خود پرَ سے جیسے کوئی گزرتا ہے عشق میں
ایسے ہی اُس گلی سے گزرنا پڑا مجھے

قصّے سے اُٹھ نہ جائے کہیں قصہ گو کا دل
رونا پڑا مجھے کبھی ہنسنا پڑا مجھے

☆

کارِ جنوں بھی کارِ زمانہ بھی ہوگیا
لو زندگی بھی ہوگئی شکوہ بھی ہوگیا

اے میرے بے نیاز نہ تجھ کو خبر ہوئی
مَر مَر کے تیرے عشق میں جینا بھی ہوگیا

اے شمع اب کٹے گی بھلا کس طرح یہ رات
بُجھنا بھی ہوگیا ترا جلنا بھی ہوگیا

اِس زندگی پہ روئے کوئی یا ہنسے کوئی
آنا ہی بے خبر تھا کہ جانا بھی ہوگیا

قیمت رضائے حُسن کی جُز نقدِ جاں نہ تھی
جاں ہم نے نذر کی تو یہ سودا بھی ہوگیا

☆

بندگی میں تبھی ہم مِثلِ خُدا ایک ہوئے
جب مودّت میں کہا اور کیا ایک ہوئے

جس گھڑی اسفل و احسن سے اُٹھا میرا خمیر
آتش و آب مِلے خاک و ہَوا ایک ہوئے

تب کہیں جا کے سنائی دی مجھے کُن کی صدا
جب سماعت کو سکوت اور صدا ایک ہوئے

تب کہیں جا کے دکھائی دیا امکاں کے پرے
جب بصارت کو خلا اور مَلا ایک ہوئے

عشق گُزرا ہے خدا جانیے کس منزل سے
دلِ مضطر کو جہاں درد و دوا ایک ہوئے

☆

دائرہ دَر دائرہ خواہش کی دنیا عارضی
دسترس میں جو بھی ہے، جو تھا، جو ہوگا عارضی

اِس تماشا گاہ میں اے بے دلی کُچھ تو بتا
یا ترا دل بھر گیا یا تھا تماشا عارضی

کھُل گیا خواہش میں لِپٹی پائیداری کا سراب
ہے یہ دنیا اپنے دھوکے سے زیادہ عارضی

دائمی عالم کے راہی کو ہے بس اِس کی خبر
عارضی دیوار کا ہوتا ہے سایہ عارضی

میل کیا دنیا سے میرا وہ کہاں اور مَیں کہاں
اُس کا ہونا عارضی میرا نہ ہونا عارضی

☆

نہ کسی سر نہ کسی اور کے شانے سے اُٹھا
یہ مِرا وزن تھا میرے ہی اُٹھانے سے اُٹھا

کوئی پا ہی نہیں سکتا کبھی اُس درد کی گرد
دردِ دل میں جو تِرا درد چُھپانے سے اُٹھا

جب یہ دن جاگا تو میں پائنتی سویا اپنے
رات جب سوئی تو میں اپنے سرہانے سے اُٹھا

پردۂ عجز میں لیلیٰ نے چھپایا مُنہ کو
وزن دیدار کی مِنّت کا دِوانے سے اُٹھا

خواب میں مجھ کو حقیقت کے دکھانے والے
جیسا بھیجا تھا مجھے ویسا زمانے سے اُٹھا

☆

دید نا دید ہی تھا تابِ نظر سے پہلے
دل دھڑکنے کے سِوا کیا تھا خبر سے پہلے

شعلہ مرہونِ طلب ہے جو یہ پردہ اُٹھ جائے
طلبِ شعلہ ہے پروانے کو پَر سے پہلے

اک جہاں مجھ سے خفا ایک زمانہ بیزار
اور میں جیسے کوئی آہ اثر سے پہلے

تُو بس امکاں ہے اگر تُو نے نہ پایا خود کو
قطرہ، قطرے کے سوا کیا ہے گہر سے پہلے

دل کی وحشت میں جو اک طرفہ سراسیمگی ہے
ایسا لگتا ہے یہاں دشت تھا گھر سے پہلے

یہ تو کچھ پیش رَووں نے کیا رستا پیدا
ورنہ دیوار تھی یاں راہ گزر سے پہلے

☆

جو تیرے دل میں خلا تھا خدا ہُوا کہ نہیں
وجود سا تھا جو تجھ میں وہ لا ہُوا کہ نہیں

یہ عشق حُسن نہیں جو ادا کا ہو محتاج
کہ بے حجاب و وسیلہ ادا ہُوا کہ نہیں

یہ اور بات کہ "تُو" میں بھی "مَیں" نظر آیا
مگر وسیلہ نما آئنہ ہُوا کہ نہیں

جو "مَیں" کو پہنچا تو جانا کہ "تُو" کو پہنچا مَیں
مرے پتے سے ہی تیرا پتا ہُوا کہ نہیں

دِکھا نہ کعبے کا دَر یہ بتا کہ میرے لیے
کہیں کوئی درِ امید وا ہُوا کہ نہیں

☆

وہ جس نے دل کی خلش کو خدا بنایا ہے
اُسی نے درد کو میرے دوا بنایا ہے

چھُپا کے خود کو تو گم کر دیا ہے "تُو" کا سِرا
مجھے جہان میں "مَیں" کا سِرا بنایا ہے

تِری خبر نہ کچھ اپنا پتا یہ لگتا ہے
کہ ایک "کیا" نے بس اک اور "کیا" بنایا ہے

اگر ہُوا ہے تو یہ کس لیے ہُوا اور کیوں
اگر بنایا ہے تو پھر یہ کیا بنایا ہے

کسی خیال کو مجھ سے مجھے مِلانے کا
بہانہ چاہیے تھا آئنہ بنایا ہے

ہزاروں سال پرانا ہے گو جہانِ وجود
مِرے خیال نے اِس کو نیا بنایا ہے

☆

ہونا نہیں ہوں میں کہ نہ ہونا نہیں ہُوں میں
یعنی "نہیں" کا "ہے" ہوں نہ "ہے" کا "نہیں" ہُوں میں

میں بولتی کتاب ہوں لوگوں کے درمیاں
سنگِ حَرم کہ خِشتِ کلیسا نہیں ہُوں میں

دیکھو تو سنگِ رہ کی طرح ہُوں پڑا ہُوا
سوچو تو کیا وجود خدا کا نہیں ہُوں میں

تنہائی کو نہ جانے ہو یکتائی کب نصیب
اب تک تو "ہے" کی قید سے نکلا نہیں ہُوں میں

پہنچوں گا کس طرح عرفَ نفسہ ھُو کو جب
خودبین و خود شناس و خود آرا نہیں ہُوں میں

☆

غیب کو سمجھو تو جانو مرا حاضر ہونا
پردہ کرنا ہے مِرا اصل میں ظاہر ہونا

درمیاں ہی میں ہے رہنا مجھے کُن کی صورت
مجھ کو منظور نہیں اوّل و آخر ہونا

کیسے پائے گا کوئی جادہ و منزل کا سراغ
پہلے سمجھے تو کوئی میرا مسافر ہونا

میں کہ جوہر بھی ہوں اور آئنہ خانہ بھی ہوں
میری کمیابی میں پوشیدہ ہے وافر ہونا

ہوں وہ شاعر کہ مجھے میرے تلّمذ کی قسم
دلِ انساں پہ کھُلے گا مِرا شاعر ہونا

☆

اپنا ہی نشّہ میری ترنگ میں ہوں بے کشکول ملنگ
میرا عشق ہی میری بھنگ میں ہوں بے کشکول ملنگ

آپ ہی "مَیں" اور آپ ہی "تُو" آپ ہی چاک اور آپ رفو
آپ ہی سر اور آپ ہی سنگ میں ہوں بے کشکول ملنگ

میں "ہی" بندہ میں ہی مالک کب میں صوفی کب میں سالک
مجھ پہ چڑھا ہے میرا رنگ میں ہوں بے کشکول ملنگ

اپنے سائے خود پلنا تم میرے رستے مت چلنا تم
مجھ تک ہی ہیں میرے ڈھنگ میں ہوں بے کشکول ملنگ

جو چاہو سو دیکھو جی تم جب تک چاہو دیکھو جی تم
آئینہ ہے میرا بے زنگ میں ہوں بے کشکول ملنگ

☆

اِک فاصلے سے تُو جسے پڑھتا ہُوا تھا میں
دیکھا قریب جا کے تو لکھا ہُوا تھا ''مَیں''

ملتا وہ کیسے آپ میں آئے ہوئے بغیر
جس کو تلاش کرنے میں کھویا ہُوا تھا مَیں

دیکھی جو خود کی آئنۂ ہست میں جھلک
مجھ کو یہی لگا کہیں دیکھا ہُوا تھا مَیں

پھر ہو رہے ہیں دیکھو زمان و مکاں بہم
جب یہ مِلے تھے قطرے سے دریا ہُوا تھا مَیں

جب ہو گیا جواب تو ''لا'' تک بکھر گیا
جب تھا سوال نقطے میں سمٹا ہُوا تھا مَیں

☆

دل کی خلش تھی وہ جسے سودا بنا دیا
سودا جو بن گیا اُسے جلوہ بنا دیا

دراصل مے کدہ ہے جسے میرے وہم نے
بُت خانہ کردیا کبھی کعبہ بنا دیا

خُم خانۂ الست میں جامِ شرابِ ھُو
قطرے کو مست کردیا دریا بنا دیا

حیرت کدے میں عشق کے تخلیق کر کے ''مَیں''
یوسفؑ بنادیا کہ زلیخا بنادیا

تجھ پر کُھلے گا منزلِ کُن سے گزر کے دیکھ
کس نے گزر کے عشق کا رستا بنادیا

☆

ملتا تھا وہ جہاں اُسی آنگن میں لے کے چل
اے چاند پھر مجھے مِرے بچپن میں لے کے چل

نایاب ہے یہ گردشِ سیّارگاں کی راکھ
کچھ سر پہ ڈال کچھ کف و دامن میں لے کے چل

اے نوبہارِ ناز و کم آمیز اپنے ساتھ
اب کے ہمیں بھی بھیگتے ساون میں لے کے چل

پہروں بس اِک خیال کی خاموشیاں سُنوں
آبادیوں سے دور کسی بَن میں لے کے چل

آسودگی تو بسترِ فردا کا خواب ہے
بس لمحۂ فنا کی دکھن من میں لے کے چل

☆

چیں چیں پیں پیں کرتے رہ گئے
مرنے والے مرتے رہ گئے

مَیں مَیں مَیں مَیں کرنے والے
مَیں مَیں مَیں کرتے رہ گئے

مارے خودی کے مارے خدا کے
وہم کی تہہ میں اُترتے رہ گئے

اندھے تھے، اُن دیکھے خدا سے
اپنے خلا کو بھرتے رہ گئے

جی گئے موت پہ مرنے والے
ڈرنے والے ڈرتے رہ گئے

☆

''کیوں'' نظر آنے لگا ''کیا'' نظر آنے لگا ہے
یعنی ہونا بھی تماشا نظر آنے لگا ہے

کاش یوسفؑ کی حقیقت ہی نہ کھلتی ہم پر
اب تو ہر وہم زلیخا نظر آنے لگا ہے

دید کو ایک ہوئے پیش و پسِ آئینہ
جو ہے جیسا مجھے ویسا نظر آنے لگا ہے

کیا تمنا پہ کُھلا اگلے قدم کا امکاں
کسی جانب قدم اٹھتا نظر آنے لگا ہے

کسی امید نے کیا رکھ دیا دل پر مِرے ہاتھ
اب سبھی کچھ مجھے اچھا نظر آنے لگا ہے

☆

پیشِ زمیں رہوں کہ پسِ آسماں رہوں
رہتا ہُوں اپنے ساتھ میں چاہے جہاں رہوں

کیسا جہاں کہاں کا مکاں کون لامکاں
یعنی اگر کہیں نہ رہوں تو کہاں رہوں

اے عشق میرا ہونا نہ ہونا ہے مجھ تلک
اب مَیں نشان کھینچوں کہ مَیں بے نشاں رہوں

کیا ڈھونڈتا رہوں مَیں یونہی دہر میں ثبات
کیا مرگِ ناگہاں کے لیے ناگہاں رہوں

خاکسترِ ستارہ ہے آئندۂ نمو
بہتر یہی ہے مَیں کسی جانب رواں رہوں

☆

آپ ہی تو ہیں روحِ حقیت اگر آپ ہیں
آئینے کے اُدھر کچھ نہیں ہے اِدھر آپ ہیں

بے خبر ہیں تو اپنی خبر سے گزر جایئے
جب تلک آ رہی ہے خبر بے خبر آپ ہیں

ذات کے اسم سے ذات کا ذات ہونا ہے کیا
ننگ ہی ہیں اگر آپ کے نام پر آپ ہیں

کون ہے وہ جو حدّ ِ نظر کا تعین کرے
مان لیتے ہیں ہم تا بہ حدِّ نظر آپ ہیں

آپ ''ہے'' اور ''نہیں'' کی ہیں ہر سمت سے ماورا
کیا اِدھر کیا اُدھر کیا جدھر کیا کدھر ''آپ ہیں''

☆

جو بھی تھا حق ادا وہ کیا ہی نہیں گیا
لکھ کر بھی یوں لگا کہ لکھا ہی نہیں گیا

ہم نے کفن بھی دیکھ لیا اوڑھ کر مگر
وہ تنگ تھے کہ ہم سے چھپا ہی نہیں گیا

نغمہ تھا زندگی کا کہ نوحہ تھا مَوت کا
اندر وہ شور تھا کہ سُنا ہی نہیں گیا

کچھ اتنا بے خیال کسی دھیان نے کیا
منظر کے بیچ ہم سے رُکا ہی نہیں گیا

اے عقل جس کی تہہ سے نہ اُبھرے کوئی سوال
ایسا کوئی، جواب دیا ہی نہیں گیا

بنتے ہوئے خدا کو خدا دیکھتے رہے
ہم سے اگرچہ کچھ بھی بنا ہی نہیں گیا

☆

آ گئے آپ، آئیے صاحب
کیا خبر ہے، سُنائیے صاحب

آپ کو دی گئی ہے اک دُنیا
گھومیے یا گھمائیے صاحب

کیجے اک اور دعوتِ مرہم
زخم اک اور کھائیے صاحب

گھورتے کیا ہیں آپ اندھیرے کو
اک دیا تو جلائیے صاحب

سوچتے کیا ہیں گردشِ افلاک
آپ چرخہ چلائیے صاحب

زندگی ''کیا'' ہے زندگی ''کیوں'' ہے
سوچ کر مَر نہ جایئے صاحب

رہیے خاموش گر نہیں ہے دلیل
شور تو مت مچایئے صاحب

جام اٹھاتا ہے تو اٹھائے کوئی
آپ کاسہ اٹھایئے صاحب

بھوک ہے مفلسی ہے کیجئے عیش
کھایئے اور کمایئے صاحب

☆

سادہ ہے گرچہ لوح ، بصارت بحال رکھ
شورِ قلم بہت ہے ، سماعت بحال رکھ

زخمِ تلاش میں ہے نہاں مرہمِ دلیل
تُو اپنا دل نہ ہار محبت بحال رکھ

نظّارہ بے نظارہ ہُوا ہے تو کیا ہُوا
حیرت کی تاب دید کی حسرت بحال رکھ

بس میں تو خیر کچھ بھی نہیں ہے تِرے مگر
بچنا ہے یاسیت سے تو وحشت بحال رکھ

مستی و ہوش و جذب و جلال و جنون و عشق
اے میرے یار کوئی تو شدّت بحال رکھ

☆

چراغ ہائے تکلف بجھا دیے گئے ہیں
اٹھاؤ جام! کہ پر دے اُٹھا دیے گئے ہیں

اب اِس کو دید کہیں یا اِسے کہیں دیدار
ہمارے آگے سے جو ہم ہٹا دیے گئے ہیں

اب اُس مقام پہ ہے یہ جنوں کہ ہوش نہیں
مِٹا دیے گئے ہیں یا بنا دیے گئے ہیں

یہ راز مرنے سے پہلے تو کھل نہیں سکتا
سُلا دیے گئے ہیں یا جگا دیے گئے ہیں

جو مل گئے تو تونگر نہ مل سکے تو گدا
ہم اپنی ذات کے اندر چُھپا دیے گئے ہیں

چراغِ بزم ہیں ہم رازدارِ صحبتِ بزم
بجھا دیے گئے ہیں یا جلا دیے گئے ہیں

☆

کیا حال ہے اس دل کا چھپانا بھی نہ آیا
پوچھا جو کسی نے تو بتانا بھی نہ آیا

جب آگ لگانا تھی تو ہم سے نہ لگی آگ
اب آگ لگی ہے تو بجھانا بھی نہ آیا

گھر جل گیا اے تجربہ گاہِ جنوں آخر
اک دل کا لگانا تھا لگانا بھی نہ آیا

معشوق کہاں کے ابھی عاشق بھی نہیں ہم
کیا روٹھنا ہم کو تو منانا بھی نہ آیا

پھرتے رہے وحشت میں اٹھائے ہوئے افلاک
پَر بارِ جنوں سر پہ اٹھانا بھی نہ آیا

تصویر بناتے ہوئے خود ہوگئے تصویر
پَر ہم نے جو دیکھا تھا دکھانا بھی نہ آیا

☆

یہی بہتر ہے کہ اب خوں میں نہاتے چلیے
بارشِ سنگ میں کیا سَر کو بچاتے چلیے

اِس سَرا میں نہیں عزت کا بنانا آساں
یہی عزت ہے کہ عزت کو بچاتے چلیے

کارِ مجذوب تو کچھ ہے بھی نہیں اِس کے سوا
آئنہ دیکھئے آئینہ دکھاتے چلیے

کسی صورت بھی نہ خالی رہے دامانِ جنوں
گُل نہیں رہ میں تو کیا سنگ اٹھاتے چلیے

ہمہ تن رنگ ہوں میں آپ کدھر دیکھتے ہیں
اک نظر دیکھئے تصویر بناتے چلیے

لاشئہ قیسِ شبِ ہجر ہے عُریاں کب سے
اک ذرا چادرِ مہتاب اُڑھاتے چلیے

☆

اٹھا کے در سے سرِ رہ بٹھا دیا ہے مجھے
مِرے سوال نے پاگل بنا دیا ہے مجھے

کچھ اِس طرح سے کہا مجھ سے بیٹھنے کیلئے
کہ جیسے بزم سے اُس نے اٹھا دیا ہے مجھے

نہ خود ہی چین سے بیٹھے نہ مجھے بیٹھنے دے
مِرے خدا نے ستارہ بھی کیا دیا ہے مجھے

مری سمائی نہ صحرا میں ہے نہ گھر میں ہے
نیا یہ مژدۂ وحشت سُنا دیا ہے مجھے

میں اپنے ہجر میں تھا مبتلا ازل سے مگر
ترے وصال نے مجھ سے ملا دیا ہے مجھے

☆

سیرِ بہار کو تو ترس ہی گئے جناب
شاخوں سے پھول پھولوں سے رس ہی گئے جناب

اِس بار چارہ گر مری وحشت کو دیکھ کر
زنجیر میرے پاؤں میں کس ہی گئے جناب

وہ بھیڑ تھی کہ دَر پہ میسر نہیں تھا کُنج
آخر ہم اٹھ کے سوئے قفس ہی گئے جناب

کیا کہیے کوئی قافلہ جاتا ہے بے جرس
کیا کہیے یاں تو ہوشِ جرس ہی گئے جناب

اُس آئینے کے آگے گئے تھے ہم ایک بار
وہ روشنی پڑی کے جھلس ہی گئے جناب

☆

آتا ہے رنگ رنگ پہ رنگِ مزید سے
وحشت پہ اور چڑھ گئی تہہ روزِ عید سے

مرکز سے بن کے پھرتے ہیں سمتوں میں عشق کی
کیا کام اہلِ دل کو قریب و بعید سے

حیرت زدوں کو اُس بُتِ بے خُو سے کیا کلام
فارغ نہیں ہے جو کبھی گفت و شنید سے

لے جاتے ہیں اُڑا کے حریفانِ جام و مے
ہم جو پیالہ بھرتے ہیں خوں کی کشید سے

پیتے ہیں چُھپ کے آ کے بہکتے ہیں بزم میں
کُھلتے ہیں یعنی اور بھی کارِ مزید سے

☆

یہ عمرِ صد بلا جو اپنے ہی سر گئی ہے
تھوڑی گزار لیں گے تھوڑی گزر گئی ہے

یا مُوند لیں ہیں آنکھیں یا مُند گئیں ہیں آنکھیں
تجھ پر پسِ تماشا یاں کیا گزر گئی ہے

ممکن نہیں تھا شاید دونوں کا ساتھ رہنا
تیری خبر جب آئی اپنی خبر گئی ہے

شورِ خزاں ہے گھر میں دیوار و بام و در میں
دَر پر سواریِ گل آ کر ٹھہر گئی ہے

معلوم ہی نہیں ہے کچھ فرق ہی نہیں ہے
یہ دن گزر گیا ہے یا شب گزر گئی ہے

ہر گُل بدن کو تکنا آنکھوں سے چوم رکھنا
دیوانگی ہماری حد سے گزر گئی ہے

☆

خون اُگلے، کبھی روئے، کبھی تقریر کرے
ایسے پاگل کے لیے کیا کوئی تدبیر کرے

کیا تماشا ہے شب و روز کہ دیوانے کو
ایک آزاد کرے دوسرا زنجیر کرے

کیا ضروری ہے کہ اب عشق ترے گھر کے قریب
اپنے رہنے کو در و بام بھی تعمیر کرے

ہائے وہ دل جو بُلا لائے اُسے جب چاہے
ہائے وہ آنکھ جو آنے میں نہ تاخیر کرے

ہائے وہ خُوں کہ جو مقتل کو کرے روئے گلاب
ہائے وہ عشق جو تجھ حسن کو شمشیر کرے

☆

عشق نے جب سے دل کو گھیرا ہے
پَل اُجالا ہے پَل اندھیرا ہے

وسعتِ کائنات کیا کہیے
ذات کے گِرد ایک پھیرا ہے

حسن کو خود میں بھر لیا میں نے
عشق میں یہ کمال میرا ہے

ہر ادا ہے مِری ادا اُس کی
مبتلا اک جہان میرا ہے

میں جو بیٹھا ہوں اپنے سائے میں
میرا سایہ بہت گھنیرا ہے

☆

واہ وا کا شور سارا بے مزا لگنے لگا
خود نمائی کو بھی اب چہرہ بُرا لگنے لگا

کیا تردّد، کیا شکایت، کیا خلش، کیا اجتناب
اب کسی کا کچھ نہ کہنا بھی گلہ لگنے لگا

کس سے کہیے دیکھ لینے کی ہوس میں اے جنوں
سب برا لگنے لگا یا سب بھلا لگنے لگا

خود کو پا کر کیا لگا آغاز و انجامِ سفر
انتہا لگنے لگا یا ابتدا لگنے لگا

یہ مری آنکھوں کی حد ہے اُس کی حد کب ہے نوید
جو کبھی بندہ کبھی مجھ کو خدا لگنے لگا

☆

اے بے خبری تیری خبر ہار گیا دل
لو جیت گئی عقل مگر ہار گیا دل

دیوار سے دیوار بیاباں سے بیاباں
وہ نقل مکانی ہے کہ گھر ہار گیا دل

صیاد کی مِنّت نہ کوئی دام کی حسرت
آزاد اڑا اتنا کہ پر ہار گیا دل

ہر بار تو دل ہارتا تھا شوق سے لیکن
اس بار محبت میں جگر ہار گیا دل

کچھ یاد دلائے ہو اگر یاد کسی کو
دل کو تو نہیں یاد کدھر ہار گیا دل

☆

سکوں سے عمر گزرنے کا بھی خیال نہیں
کشاکشی کو تو مرنے کا بھی خیال نہیں

نہ جانے ذہن میں کیا اُس کے ہے تصّورِ حُسن
کہ اُس پری کو سنورنے کا بھی خیال نہیں

سنوارنے میں کوئی مر رہا ہے زُلف اپنی
کسی کو زُلف بکھرنے کا بھی خیال نہیں

کسی سے لمحہ گزارے نہیں گزرتا ہے
کسی کو وقت گزرنے کا بھی خیال نہیں

یہ کون قافلہ ہے کس سفر پر نکلا ہے
کسی کو رہ میں ٹھہرنے کا بھی خیال نہیں

☆

تازہ سوال ڈھونڈ کے لانے کی بات ہو
اب ہو تو بس چراغ جلانے کی بات ہو

جیسے خدا زمیں پہ اتر آئے عرش سے
جیسے زمیں کو عرش بنانے کی بات ہو

وہ بات جس سے وجد میں آجائے زندگی
صحرا میں جیسے پھول کھلانے کی بات ہو

ہر ذہن میں جہان بدلنے کا ہو خیال
ہر دل میں آنے والے زمانے کی بات ہو

کب تک یونہی اندھیروں کو روتے رہیں گے ہم
دنیا سے اب اندھیرے مٹانے کی بات ہو

☆

ہے فنا کیا یہ بتانے کیلئے آیا ہے
جو بھی آیا ہے وہ جانے کیلئے آیا ہے

وہم آیا ہے حقیقت کو برہنہ کرنے
یا اُسے اور چھپانے کیلئے آیا ہے

اٹھ گیا خود وہ مگر اس سے اٹھائے نہ اٹھا
جو بھی یاں پردہ اٹھانے کیلئے آیا ہے

کوئی آیا ہے بنانے کیلئے بات کی بات
اور کوئی بات گُھمانے کے لیے آیا ہے

رنگ جو حسن پہ آیا ہے تو یہ جان کہ بس
عشق کا رنگ اُڑانے کیلئے آیا ہے

☆

وہ جس پر عالمِ خلوت برہنہ ہوگیا ہوگا
وہ تنہا ہو گیا ہوگا وہ یکتا ہو گیا ہوگا

وہ جس قطرے پہ جزو وکُل کی نسبت کُھل گئی ہوگی
وہ قطرہ کب رہا ہوگا وہ دریا ہوگیا ہوگا

خدائے کُن سے کیا پوچھیں سبب تخلیقِ عالم کا
یونہی بیٹھے بٹھائے بس ارادہ ہوگیا ہوگا

بنا ہوگا یہی کچھ عشق میں لیلیٰ و مجنوں کا
وہ مجنوں ہو گئی ہوگی یہ لیلیٰ ہوگیا ہوگا

نگاہِ وہم پر جس دم حقیقت کھل گئی ہوگی
تو نظّارے پہ اک حیرت کا پردہ ہو گیا ہوگا

گلی، کوچے، خرابے، چائے خانے، چوک، چوبارے
محبت کیا ہوئی ہوگی تماشا ہوگیا ہوگا

☆

ایک شرر شعلے سے بچھڑ کر کتنا رقص کرے گا
ہو ہی جائے گا خاکستر کتنا رقص کرے گا

خود کو گم کرنے سے بھی زنجیر کہیں گم ہوتی ہے
اُٹھ کر گِر کر گِر کر اُٹھ کر کتنا رقص کرے گا

اک مجذوب و دیوانہ بن اُکتائے بن سَستائے
ایک مسلسل لَے پہ برابر کتنا رقص کرے گا

تیرے بھنور کی تھاہ نہیں ہے کیسی بلندی کیسی تہہ
تو اپنے گرداب کے اندر کتنا رقص کرے گا

بے خود ہو کر بھی پروانہ شعلہ کہاں بن سکتا ہے
آخر اپنے پر پھیلا کر کتنا رقص کرے گا

اپنے ہی پاؤں سے اٹھنے والی دھول میں گم ہو جائے گا
پاؤں سے سر تک خاک اُڑا کر کتنا رقص کرے گا

باہر کی گردش کے پاؤں سے پاؤں ملا کر یونہی
خون بدن کے اندر اندر کتنا رقص کرے گا

گم ہے نہ ہونے میں ہونا ہونے میں نہ ہونا گم
ہونے نہ ہونے سے گھبرا کر کتنا رقص کرے گا

☆

نہ ڈھونڈو، نہ سوچو، کہاں جا رہا ہُوں
جہاں مَیں نہیں ہوُں وہاں جا رہا ہُوں

نہ ''مَیں'' ہے نہ ''تُو'' ہے، نہ ''یہ'' ہے نہ ''وہ'' ہے
وہاں صرف ''ھُو'' ہے ، جہاں جا رہا ہُوں

زمیں یہ اگرچہ خدا کی زمیں ہے
بنا کر اِسے آسماں جا رہا ہُوں

مَیں ہونے نہ ہونے کے اِس شور میں بھی
خموشی کو دے کر زباں جا رہا ہُوں

عیاں تم پہ کر دے گا ''کن'' کی حقیقت
میں دے کر وہ رازِ نہاں جا رہا ہُوں

ورائے زماں ہے ورائے مکاں ہے
سُنا کر جو اک داستاں جا رہا ہُوں

یہاں بن کے آیا تھا میں میہماں سا
وہاں ہو کے اب میزباں جا رہا ہُوں

☆

اک نظر بھی کسی نے نہ دیکھا جدھر اک نظر دیکھ لُوں
اِس سے پہلے کہ بجھ جائے میری نظر اک نظر دیکھ لُوں

کون ہے جس کو سوچا نہیں سوچ کر سوچ لُوں لمحہ بھر
کون ہے جس کو دیکھا نہیں دیکھ کر اک نظر دیکھ لُوں

دیکھتا ہُوں اُسی کو میں شام و سحر نَو بہ نَو جلوہ گر
دل سے جاتی نہیں ہے یہ حسرت مگر اک نظر دیکھ لُوں

کیا ہے گردش جو گردش سے ہے متصل دَم بہ دَم مستقل
گم ہیں شام و سحر میں جو شام و سحر اک نظر دیکھ لُوں

کیا پَرا کیا ورا کیا خلا کیا مَلا کیا بہم کیا جُدا
کیا اِدھر کیا اُدھر کیا جدھر کیا کدھر اک نظر دیکھ لُوں

☆

دُکھتا ہے دکھائی نہیں دیتا ہے مِرا زخم
نادیدہ خدا کی طرح گہرا ہے مِرا زخم

اے بخیہ گرو، چارہ گرو، راہ لو اپنی
کب بخیہ و مرہم میں سماتا ہے مِرا زخم

کیوں ہو نہ ہرا درد کی آزاد فضا میں
کب دامِ مسیحائی میں آتا ہے مِرا زخم

روؤں کہ ہنسوں دیدہ ورو کس کی سُنوں مَیں
روتا ہے اگر درد تو ہنستا ہے مِرا زخم

ہو شام تو رندوں کے لیے ہے یہ پیالہ
ہو صُبح تو درویشوں کا کاسہ ہے مِرا زخم

☆

بجائے وہم حقیقت کہاں سُنائی گئی
کہ جب سُنائی گئی داستاں سُنائی گئی

سوال مَیں نے کیا جب کبھی محبّت کا
مجھے حکایتِ سود و زیاں سُنائی گئی

سوال مَیں نے کیا جب کبھی اطاعت کا
مجھے حکایتِ کرّ و بیاں سنائی گئی

سوال مَیں نے کیا جب کبھی حقیقت کا
مجھے حکایتِ وہم و گماں سُنائی گئی

سوالِ جادہ و منزل اگر کیا مَیں نے
مجھے حکایتِ آوارگاں سُنائی گئی

سوال جب بھی کیا مَیں نے ساغر و مَے کا
مجھ حکایتِ تشنہ دہاں سُنائی گئی

☆

رضائے حُسن کا قیدی بنایا جا رہا ہوں مَیں
جکڑ کر دل کی زنجیروں میں لایا جا رہا ہُوں مَیں

طربیہ کیا، المیہ کیا، ہے نغمہ کیا، ہے نوحہ کیا
ہنسایا جا رہا ہُوں مَیں رُلایا جا رہا ہُوں مَیں

مسلسل ہُوں مَیں یعنی درمیاں ہونے نہ ہونے کے
مٹایا جا رہا ہوں میں بنایا جا رہا ہُوں مَیں

کسی نے کب سُنا مجھ کو کسی نے کب مجھے دیکھا
سُنایا جا رہا ہوں میں دکھایا جا رہا ہُوں مَیں

میں کیا ہوں، کون ہوں، کیوں ہوں، کہاں ہوں، کس لیے ہوں میں
سوالِ ہست ہُوں ''ھُو'' میں چھپایا جا رہا ہُوں مَیں

☆

اُجاڑا جا رہا ہُوں مَیں مٹایا جا رہا ہُوں مَیں
ستم ہے یاد کر کر کے بھُلایا جا رہا ہُوں مَیں

نہ کیوں ماتم کروں، کیوں سر نہ پیٹوں، کیوں نہ خوں اُگلوں
نہ کیوں روؤں کہ جب ہنس کر اُڑایا جا رہا ہُوں مَیں

تماشا بن گیا ہُوں آ کے یارب تیری محفل میں
اُٹھایا جا رہا ہُوں مَیں بٹھایا جا رہا ہُوں مَیں

لگا کر زخم، اذیّت دے کے، غم میں مبتلا کر کے
بڑی بے رحمی سے بے حِس بنایا جا رہا ہُوں مَیں

سُخن ہو کوئی، کوئی گفتگو ہو، بحث ہو کوئی
مجھے لگتا ہے مُجھ ہی کو سنایا جا رہا ہُوں مَیں

☆

کب ''یہاں'' کب ''وہاں'' میں رہتے ہیں
ہم ''کہیں'' اور ''کہاں'' میں رہتے ہیں

ہم ہیں آگاہِ مذہب و الحاد
ہم ''نہیں'' میں نہ ''ہاں'' میں رہتے ہیں

کیا کہیں تجھ سے ہم دلیلِ ''ھُو''
کس ''یقیں'' کس ''گُماں'' میں رہتے ہیں

ڈھونڈتا کیا ہے عرش پر ہم کو
ہم اِسی خاکداں میں رہتے ہیں

آپ کی بات کون سمجھے گا
آپ بھی کس گُماں میں رہتے ہیں

☆

کیا کہیں کس جہاں سے آئے ہیں
کون ہیں ہم، کہاں سے آئے ہیں

اجنبیّت اور اس قدر، حضرت!
آپ کیا آسماں سے آئے ہیں

یوں جو حسرت سے تک رہے ہیں خلا
آپ کوئے بتاں سے آئے ہیں

تیر آئے ہیں جتنے دل کی طرف
خامشی کی زباں سے آئے ہیں

آج تو ہو ہی جائے گا دیدار
آج ہم خوش گماں سے آئے ہیں

ہم سے مت پوچھ عالمِ ھُو تک
کس یقیں کس گماں سے آئے ہیں

☆

جہل! آ، مُجھ کو مار، زندہ کر
علم کا اعتبار زندہ کر

کچھ کسی کی مجھے نہیں پروا
مجھ کو مجھ سے گزار زندہ کر

سرِ لیل و نہار اُٹھا مِری لاش
پسِ لیل و نہار زندہ کر

پھر مجھے بار بار مار اے دل
پھر مجھے بار بار زندہ کر

اے مرے جبر مار مجھ کو مار
اے مرے اختیار زندہ کر

عالمِ ''ھُو'' میں لے گئی مجھے مَوت
اب مجھے تُو ہزار زندہ کر

☆

یہ سوچتا ہُوں پسِ آسماں چلا جاؤں
جہاں نہ "مَیں" ہے نہ "تُو" ہے وہاں چلا جاؤں

کروں تو کیا کہ مِری مجھ سے جان چھُٹ جائے
کشاکشِ غمِ ہستی کہاں چلا جاؤں

تو کیا نہ ڈھونڈوں حقیقت مَیں اپنے ہونے کی
مَیں بے خیال یونہی رائیگاں چلا جاؤں

ہزار طرح کے قصّے سفر میں رہتے ہیں
سُنا کے مَیں بھی کوئی داستاں چلا جاؤں

اِدھر اُدھر کی تو مَیں خیر کیا سناؤں گا
بہت ہے "ھُو" کو جو کر کے بیاں چلا جاؤں

☆

کہاں ڈھونڈھوں کدھر چلے گئے ہیں
سب مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں

اک نظر دیکھنے وہ آئے تھے
اک نظر دیکھ کر چلے گئے ہیں

دشت سنسان راستے ویران
کیا سب آوارہ گھر چلے گئے ہیں

دھیان بے دھیان بے خیال خیال
دُور آپ اِس قدر چلے گئے ہیں

جا کے آتا نہیں جدھر سے کوئی
آپ بھی کیا اُدھر چلے گئے ہیں

یاد آئے تو لَوٹ آیئے گا
آپ کچھ بھول کر چلے گئے ہیں

☆

اے خُدا کیا کروں، کیا کروں اے خُدا دل نہیں لگ رہا
جی لیا مَر لیا، مَر لیا جی لیا دل نہیں لگ رہا

کیسا جینا ہے یہ، کیسی دُنیا ہے یہ، کیا تماشا ہے یہ
رو لیا ہنس لیا، ہنس لیا رو لیا، دل نہیں لگ رہا

زندگی کا مگر اے خُدا کیا کروں، کس طرح سے جیوں
بُجھ لیا جل لیا، جل لیا بُجھ لیا، دل نہیں لگ رہا

رہ گئی اِے خُدا کون سی آرزو، کون سی جستجو
مِٹ لیا بن لیا، بن لیا مِٹ لیا، دل نہیں لگ رہا

کیا کہوں اے خُدا دھیان بے دھیان ہے، جان بے جان ہے
گِر لیا اُٹھ لیا، اُٹھ لیا گِر لیا، دل نہیں لگ رہا

دل سے جاتی نہیں بے دلی اے خدا جانے کیا ہو گیا
رہ لیا بس لیا، بس لیا رہ لیا، دل نہیں لگ رہا

جانے ہونے کو اب اور کیا رہ گیا کیا خلا رہ گیا
کھو لیا پا لیا، پا لیا کھو لیا، دل نہیں لگ رہا

دل لگانے کو سارے جتن کر لیے سب سخن کر لیے
کہہ لیا سُن لیا، سُن لیا کہہ لیا، دل نہیں لگ رہا

☆

'تُو' کو 'مَیں' کرتے ہوئے اور 'مَیں' کو 'تو' کرتے ہوئے
ہو گئے منزل ہم آخر جستجو کرتے ہوئے

'مَیں' سے 'تُو' تک 'تُو' سے 'مَیں' تک اُٹھ گئے سارے حجاب
خود کو اُس کے اُس کو خود کے روبہ رو کرتے ہوئے

ایسی گردش تھی کہ مے کش آپ ساقی بن گیا
اُس کو مے کرتے ہوئے خود کو سبو کرتے ہوئے

ایک سی وحشت ہے دل کی ایک سا دل کا جنوں
کیا گریباں چاک کرتے کیا رفو کرتے ہوئے

دن کے ہنگامے کے بعد اِس طرح سے آئی ہے شام
جیسے چُپ ہو جائے کوئی گفتگو کرتے ہوئے

☆

شور میں دل کی ہے صدا کچھ اور
کہہ رہی ہے مگر ہَوا کچھ اور

مسئلہ مَوت و زندگی کا نہیں
مسئلہ اِس سے ہے سوا کچھ اور

جینے مرنے سے آیئے باہر
آگہی کا ہے مدّعا کچھ اور

کیا تگ و تازِ زندگی کہیے
کِیا کچھ اور تھا ہُوا کچھ اور

کر نہ حسرت خلا کو بھرنے کی
ورنہ بڑھ جائے گا خلا کچھ اور

صدقے مَیں تیری خوش کلامی کے
اور کچھ اور اے خُدا کچھ اور

☆

محرومیِ وصال کو حسرت سے بھر لیا
جو دل میں تھا خلا اُسے وحشت سے بھر لیا

جب کچھ بھی اپنے ہاتھ نہ آیا بجز سراب
منزل کی ہر طلب کو مسافت سے بھر لیا

دل تھا کہ جو بھرا نہ سوال و جواب سے
دامن تو ہم نے تنگی و وسعت سے بھر لیا

کچھ بھی نہیں تھا آئینہ خانے میں بہرِ دید
ہم نے ہی ایک رنگ سا حیرت سے بھر لیا

تھا زندگی میں جیسی کمی کا خلا نویدؔ
ہم نے بھی اُس کو ویسی عبادت سے بھر لیا

☆

نہ بنتا میرا تماشا اگر نہ ہوتی یہ ''مَیں''
نہ ہوتا ہونا نہ ہونا اگر نہ ہوتی یہ ''مَیں''

نہ کرتا اور نہ ہوتا تقابلِ ہستی
کسی سے گھٹتا نہ بڑھتا اگر نہ ہوتی یہ ''مَیں''

نہ سوچ ''مَیں'' کا سبب کیا ہے اور کیوں ہے یہ ''مَیں''
یہ دیکھ ''تُو'' بھی نہ ہوتا اگر نہ ہوتی یہ ''مَیں''

فقط گزرنے کو ''مَیں'' سے مِلی ہے ''مَیں'' مجھ کو
وگرنہ کون تھا رَستا اگر نہ ہوتی یہ ''مَیں''

پہنچنا عالمِ ''ھُو'' تک تھا کس طرح ممکن
''مَیں'' ''تُو'' سے کیسے گُزرتا اگر نہ ہوتی یہ ''مَیں''

جو رکھتا دستِ فنا پر تو اپنا سَر کیسے
جھُکاتا کیا پَسِ سجدہ اگر نہ ہوتی یہ ''مَیں''

☆

کہانی اپنی دُنیا کو سنانا چاہتا ہوں مَیں
ہنسانا چاہتا ہوں مَیں رُلانا چاہتا ہوں مَیں

دکھانا چاہتا ہوں کیا حقیقت ہے تصوّر کی
کہ بس پردہ پسِ پردہ اُٹھانا چاہتا ہوں مَیں

خدارا چھیڑ دو قصّہ کوئی پہلی محبت کا
ہوں بے حالت کسی حالت میں آنا چاہتا ہوں مَیں

کبھی جانے نہیں دیتا تھا موقع بات کرنے کا
اور اب خاموش رہنے کا بہانا چاہتا ہوں مَیں

اُسے بس دیکھتا رہتا ہوں خالی خال آنکھوں سے
جسے بھی کیفیت اپنی بتانا چاہتا ہوں مَیں

بالآخر کر دیا ہے مست مُجھ کو خلوتِ "ھُو" نے
اب اندر کی خموشی گنگنانا چاہتا ہوں مَیں

☆

کس مست سے لڑ گئی ہیں آنکھیں
نشّے میں لِتھَڑ گئی ہیں آنکھیں

جانے یہ کسے ہیں دیکھ آئیں
مدہوش سی پَڑ گئی ہیں آنکھیں

چہرے میں وہ دھنس گیا ہے چہرہ
آنکھوں میں وہ گڑ گئی ہیں آنکھیں

چہرے سے بچھَڑ گیا ہے چہرہ
آنکھوں سے بچھَڑ گئی ہیں آنکھیں

دیکھیں گی تُجھے ابھی برہنہ
اِس بات پہ اَڑ گئی ہیں آنکھیں

اک قطرہ لہو بھی اب نہیں ہے
اے عشق نچڑ گئی ہیں آنکھیں

دل بچ بھی گیا تو کیا بچے گا
سینے تک اُدھڑ گئی ہیں آنکھیں

کیا کہیے، سبب نہیں ہے کوئی
بے وجہ اُجڑ گئی ہیں آنکھیں

☆

تو کیوں نہ آئے لبوں تک اُلٹ کے جاں میری
اُسے پسند ہے جب لکنتِ زباں میری

کسی نے زخم لگایا تو یہ دُعا دی ہے
چلو بہار تمھاری چلو خزاں میری

بنا ہُوا ہے ہر اک شخص صاحب الرّائے
یہ حال ہو تو سُنے گا کوئی کہاں میری

میرے خدا جہاں بے پَر کی سب اُڑا رہے ہیں
جُڑی ہوئی ہے وہاں مجھ سے داستاں میری

سُنی ہے کس نے تو کس نے نہیں سُنی تُو جان
مرے امام مکمّل ہوئی اذاں میری

☆

کیا کیجے سنبھالے سے سنبھلتی نہیں وحشت
اک چپ تھی سو اب چپ سے بھی ٹلتی نہیں وحشت

ہوتی جو کوئی آہ تو میں کھینچ ہی لیتا
کیا ہے کہ جو اِس دل سے نکلتی نہیں وحشت

اب کیا کہوں کیا حال ہے کیا رنگ ہے دل کا
بے حال کسی رنگ میں ڈھلتی نہیں وحشت

بکھروں کہ اُجڑ جاؤں کہ ہو جاؤں میں برباد
حالت پہ مِری ہاتھ بھی ملتی نہیں وحشت

اک درد سا رہتا ہے مرے دل میں جو پیہم
کیونکر کہوں دل میرا مسلتی نہیں وحشت

☆

پنہاں ہے کیا یہ جان لے پیدا سمجھ تو لے
قبل اَز قبول و رَد یہ تماشا سمجھ تو لے

سانسوں کے آنے جانے کو سمجھا ہے تُو حیات
کہتے ہیں کس طریق کو جینا سمجھ تو لے

اے عقل ایک عالمِ تجرید ہے جہاں
اُلٹا ہے کیا یہ جان لے سیدھا سمجھ تو لے

کیا دَوڑتا ہے وسعتِ صحرا میں سو بہ سو
ذرّے میں ہے چھپا ہوا صَحرا سمجھ تو لے

''پھر آ گئے وہیں پہ جہاں سے چلے تھے ہم''
اے ترکِ ترک کیا ہے یہ دُنیا سمجھ تو لے

اے صیدِ جزو و کُل ہے اگر ''ھُو'' کی جستجو
دریا ہے قطرہ، قطرہ ہے دریا سمجھ تو لے

سودا تو کیا جنوں سے بھی جائے گا اے نوؔید
کرتا ہے کس پری کی تمنّا سمجھ تو لے

☆

ہم نے جانا تو بس یہی جانا
خود کو گُم کرنا ہے اُسے پانا

تیری بانہوں میں آ کے سیکھ گئے
ہم کو آتا نہیں تھا مَر جانا

مَوت سے پہلے مَر گیا ہُوں مَیں
لاش سے پہلے مجھ کو دفنانا

اس لیے کر رہا ہُوں خود کو تلاش
ڈھونڈ کر ہے مُجھے خُدا لانا

آپ کہتے رہیں اِسے تکرار
ہم کو تو ہے سبق کا دہرانا

پڑ گئی کم یہ کائنات نویؔد
ایک نقطہ تھا مجھ کو پھیلانا

☆

ہُوں مطمئن کہ مجھے اضطراب عطا ہُوا ہے
کتاب عطا ہوئی علمِ کتاب عطا ہُوا ہے

رِجھا دیا ہے حقیقت کی جستجو نے مجھے
یہ دیکھ چشم تمنّا کو خواب عطا ہُوا ہے

یہ آگہی بھی عطا کی ہے گُمرہی نے مجھے
کہ تشنگی کو جو دریائے آب عطا ہُوا ہے

گُزار کر مجھے مجھ سے بہ عالمینِ ہزار
سوال عطا ہُوا ہے اور جواب عطا ہُوا ہے

جو کھُل گیا مری دستک پہ بابِ عالمِ ’’ھُو‘‘
یہ اذنِ خاص سوئے بوتراب عطا ہُوا ہے

☆

کیا عشق رو گئی ہے درِ نیم وا کی رات
سب داغ دھو گئی ہے درِ نیم وا کی رات

تعبیر و خواب ایک دکھانے کی فکر میں
بے خواب ہو گئی ہے درِ نیم وا کی رات

گلیوں میں گھومتی ہے اکیلے تمام رات
آوارہ ہو گئی ہے درِ نیم وا کی رات

جاگی ہوئی تھی ایسی کہ سورج پہ رکھ کے سَر
لاچار سو گئی ہے درِ نیم وا کی رات

تعبیر سے کیا ہے جو پردہ بہ شکلِ خواب
کچھ دیر سو گئی ہے درِ نیم وا کی رات

☆

نہ دُعا چاہیے ہے اور نہ دوا چاہیے ہے
درد ہر حال میں کہتا ہے خدا چاہیے ہے

کام آئیں گے گئے وقتوں کے مُلّا نہ حکیم
ہے نیا مرض نئی اِس کو دوا چاہیے ہے

آپ مُکتی پہ ہیں راضی نہ ہی جنّت پہ ہے خوش
خود ہی بتلائیے پھر آپ کو کیا چاہیے ہے

سب یہ سمجھے میں خدا ڈھونڈنے نکلا ہُوا ہُوں
درحقیقت مجھے خود اپنا پتا چاہیے ہے

کچھ مُجھے سُننا ہے یارب مجھے کچھ کہنا ہے
خامشی چاہیے مجھ کو نہ صدا چاہیے ہے

بات کے بدلے میں ہے بات ہی درکار مجھے
چاہیے ہے نہ ستائش نہ صلہ چاہیے ہے

☆

آج میری خامشی سے یہ فضا خاموش ہے
رات بھی سَر پر کھڑی ہے اور دیا خاموش ہے

شام تک آباد تھی کچھ آہٹوں کے وہم سے
رات کے سائے میں اب دل کی سَرا خاموش ہے

آج کی شب کچھ نہیں ہے بہرِ تسکین و قرار
نغمہ گر چُپ ہے ستاروں کی ضیا خاموش ہے

آج اِس دل نے ہمیں اپنا تماشائی کیا
آج اُس تصویر کا ہر زاویہ خاموش ہے

اب مسافر ہے اکیلا پن ہے اور قدموں کے ساتھ
دُور تک جاتا ہُوا اک راستا خاموش ہے

☆

جب سفر کوئی اختیار کیا
اپنے سائے پہ انحصار کیا

سب نے رَد کر دیا تو پھر مَیں نے
اپنے ہونے کا اعتبار کیا

چاند کا سَر تھا میرے زانو پر
اِن ستاروں کو جب شمار کیا

تیرے پیچھے ہی چل پڑا مَیں کیوں
کیوں نہ خود اپنا انتظار کیا

صفر سے پہلے ''کیا'' کیا تھا شمار
صفر کے بعد ''لا'' شمار کیا

☆

بیکار گیا شورِ دریا، صحرا کی خموشی جیت گئی
اے شورِ حرف وعدد تجھ سے، پھر ’’لا‘‘ کی خموشی جیت گئی

ہوتی تھی بات خدا پر جب، تھی بحث وجود اور لا پر جب
ہم سب کی بک بک ہار گئی حمزہ کی خموشی جیت گئی

جب دست و گریباں تھے مُلّا، بدمست دلیل کی سبقت میں
ہو ہا کرتے سیرابوں سے تشنہ کی خموشی جیت گئی

پھر ’’کیوں‘‘ سے ’’کیوں‘‘ ہی ٹکرایا پھر ’’کیا‘‘ سے ’’کیا‘‘ ہی ٹکرایا
پھر ’’ھُو‘‘ کی خموشی جیت گئی پھر ’’ھا‘‘ کی خموشی جیت گئی

جب نیند سے سب کو جگایا گیا جب میرا خواب سنایا گیا
سب محو ہُوا شورِ ماضی فردا کی خموشی جیت گئی

☆

دکھاوے کی تگ و دَو سب سے قربت کی اداکاری
تُجھے لے ڈوبے گی اک دن مُحبّت کی اداکاری

ہے جلوت کا دکھانا کیا ہے خلوت کا چھُپانا کیا
وہ جلوت کی اداکاری یہ خلوت کی اداکاری

ترا یہ مستقل بیزار رہنا یہ بتاتا ہے
تری بے حالتی میں بھی ہے حالت کی اداکاری

ہُوا کیا حال سے بے حال مجنوں ضعفِ وحشت میں
سبھی کرنے لگے ہیں اب تو وحشت کی اداکاری

یہ مارے دوزخ و جنّت کے بندے خوف و لالچ کے
خدا کے آگے کرتے ہیں عبادت کی اداکاری

☆

دل سے کیوں دل کے دھڑکنے کا مزا جاتا رہا
کیا مِرے دل میں جو رہتا تھا خدا، جاتا رہا

''کیوں'' سے اور ''کیا'' سے مِرا دھیان ہٹانے کے لیے
درد و مرہم سے مِرا زخم بھرا جاتا رہا

کچھ نہ تھا ہاتھ میں مانا، نہ تھی آنے کی امید
کچھ تو تھا جس کے لیے ہاتھ مَلا جاتا رہا

پہلے سمجھاؤ مجھے کس کی سمجھ میں آیا
جو کہا جاتا رہا اور جو سنا جاتا رہا

نہ بتا پایا ہے کیا حرف و عدد سے آگے
جو لکھا جاتا رہا اور جو پڑھا جاتا رہا

کیا حقیقت میں اِسی خواب کو کہتے ہیں وصال
تانا بانا جو تصّور میں بُنا جاتا رہا

☆

''کون؟'' کا جب سوال رکھیے گا
پَسِ ممکن، مُحال رکھیے گا

کوئی مانگے اگر جنوں کی مثال
آپ اپنی مثال رکھیے گا

کارِ وحشت سے موڑیے گا نہ مُنہ
حال، بے حالِ حال رکھیے گا

یا نہ دیجے گا دل کسی صورت
یا کلیجا نکال رکھیے گا

مُجھ سے اک بے خیال نے یہ کہا
آپ اپنا خیال رکھیے گا

زندگی تو رواں دواں ہے جناب
خود کو کتنا نڈھال رکھیے گا

☆

ایک جلوہ جو نہاں ہے نہ عیاں ہے کیا ہے
وہم ہے، شک ہے، تصّور ہے، گماں ہے، کیا ہے

جانے کس میں ہے حقیقت کا فسوں پوشیدہ
شمع ہے، شعلہ ہے، امکاں ہے، دھواں ہے، کیا ہے

اسے تنہائی کہوں یا اسے یکتائی کہوں
وقت ٹھہرا ہوا ہے یا کہ رواں ہے کیا ہے

کیا اِسی لمحے مِرا عالمِ ''ھُو'' سے ہے گزر
ایک لمحہ جو سبک ہے نہ گراں ہے کیا ہے

ہے تو کیفیتِ انزال کی سرمستی ہے
مجھ پہ طاری نہ زماں ہے نہ مکاں ہے کیا ہے

دُور تک مست سی اک سرمدی خاموشی ہے
یہ جو اک عالمِ بے شرح و بیاں ہے کیا ہے

☆

عشق کا وزن دل و جاں پہ اٹھانے کے سوا
کوئی چارہ ہی نہیں جان سے جانے کے سوا

کس کی سُنتا دلِ آوارہ کی سُنتا نہ اگر
تھا ہی کیا بس میں مِرے خاک اُڑانے کے سوا

اپنے ہونے کی کہاں جائیں دکھانے صورت
رنگ بھی کیا کریں تصویر میں آنے کے سوا

ہم نہیں جانتے کچھ، وقت کا آنا جانا
تیرے آنے کے سوا اور ترے جانے کے سوا

تم نے تو کیا نہ کیا تم تو خدا بن بیٹھے
ہم سے تو کچھ نہ ہوا وقت گنوانے کے سوا

☆

مَوت سے بھاگا ہُوا جینے سے گھبرایا ہُوا
کون ہُوں؟ ہر دو جہانوں کا مَیں ٹھکرایا ہُوا

یہ گرہ پڑگئی ہے یا کہ یہ ڈالی گئی ہے
جانے اُلجھا ہُوا ہُوں جانے ہُوں اُلجھایا ہُوا

مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو یہ تماشا کیا ہے
میں تمھاری ہی طرح دہر میں ہُوں آیا ہُوا

جیسے نقطہ کوئی معلوم و نہ معلوم کے بیچ
میرا پوچھا ہُوا کیا، کیا تِرا بتلایا ہُوا

اُس کی مرضی ہے وہ شکوہ کرے یا شکر کرے
ہر بشر ''مَیں'' کے کھلونے سے ہے بہلایا ہُوا

تُم بھی آجاؤ جہاں ''ھُو'' کے سوا کوئی نہیں
میری خلوت نے جہاں وقت ہے ٹھہرایا ہُوا

☆

اب بُلندی کچھ نہیں ہے کچھ نہیں پستی مُجھے
عالمِ ''ھُو'' میں اُٹھا کر لے گئی مستی مُجھے

عرش کی نزدیکی و دوری مگر مجھ سے نہ پُوچھ
بے پَر و برّاق کوئی لے گیا دَستی مُجھے

شکریہ اے عشق تُو نے کر دیا ہے بے نیاز
عقل سے باندھے ہوئے تھی نیستی ہستی مُجھے

کون سمجھے گا یہاں میرے اُجڑنے کا سبب
کون جانے گا بسانی ہے نئی بستی مُجھے

مَر نہیں جاتا میں کیسے روشنی کرتا کشید
میرے اندر کی یہ تاریکی نہ گر ڈستی مُجھے

☆

ہے حُسن کی فطرت نہ جتانا نہ چھپانا
ہے مکتبۂ عشق سکھانا نہ پڑھانا

یہ دل ہے مِری جان یہاں جو بھی ہے بس ''ہے''
اِس گھر میں کسی کا بھی نہ آنا ہے نہ جانا

روشن ہے تو روشن ہے اگر گُل ہے تو گُل ہے
اِس شمع کا بس میں ہے بجھانا نہ جلانا

اُتنا ہی مجھے دیکھنا جتنا مَیں نظر آؤں
بھُولے سے بھی یہ پردہ اُٹھانا نہ گرانا

تُم میری حقیقت سے ہی واقف نہیں صاحب
ممکن ہی نہیں مجھ کو بڑھانا نہ گھٹانا

یہ بات ہے کُچھ اور قصیدہ ہے نہ نوحہ
اِس بات کا مقصد ہے ہنسانا نہ رُلانا

☆

سوچنا، سوچنا، سوچنا رہ گیا
اب خدا کی جگہ صرف ''کیا'' رہ گیا

کل تلک بولتی تھی خموشی جہاں
اب وہاں صرف سنّاہٹا رہ گیا

ہاتھ آیا نہ کچھ بھی سوائے خلا
دوڑنا بھاگنا سب دھرا رہ گیا

آنکھ کے سامنے تھی حقیقت مگر
میں تصّور میں کھویا ہُوا رہ گیا

تُم نے دیکھا اُسے، تُم نے دیکھا اُسے
ایک سے دُوسرا پوچھتا رہ گیا

ہے جنوں کو کہاں ہوشِ کارِ خرد
جانے کیا ہوگیا جانے کیا رہ گیا

☆

نگہ کو دیکھنا دل کو دکھانا پڑتا ہے
پڑا ہے خود پہ جو پردہ اُٹھانا پڑتا ہے

کہاں یہ وہم، کہاں وہ حقیقتِ واجب
مگر محال کو ممکن بنانا پڑتا ہے

کہاں مثال، کہاں وہ، مگر برائے وجود
کسی مثال کو تو لے کے آنا پڑتا ہے

جواب یہ ہے مِرا ہر جواب سے پہلے
سوال اُٹھتا نہیں ہے اُٹھانا پڑتا ہے

یہ اور بات اندھیرا اگرچہ ہے موجود
چراغ جلتا نہیں ہے جلانا پڑتا ہے

اگر نہ ہو یہ تعلق تو بس دھواں رہ جائے
دیے کو لَو سے تعلق نبھانا پڑتا ہے

وہ ہنسنے رونے کے دن خواب ہوگئے، اب تو
ہنسانا پڑتا ہے خود کو رُلانا پڑتا ہے

مگر یہاں تو کنواں ڈھونڈتا ہے پیاسے کو
سُنا تو یہ تھا کہ پیاسے کو آنا پڑتا ہے

نوؔید بیٹھے بٹھائے تو کچھ نہیں مِلتا
کوئی قدم تو بہ ہر حال اُٹھانا پڑتا ہے

☆

نام کے جب نہ تھے بے نام ہُوا کرتے تھے
اک فراغت سے ہمیں کام ہُوا کرتے تھے

صبح ہوتی تھی تو ہو جاتے تھے ہم کاسۂ صبح
شام ہوتی تھی تو ہم جام ہُوا کرتے تھے

کامیابی کو نہ لاتے تھے کسی خاطر میں
عشق میں شوق سے ناکام ہُوا کرتے تھے

کیا کہیں اُس کی کہ وہ سیتا ہُوا کرتی تھی
کیا کہیں اپنی کہ ہم رام ہُوا کرتے تھے

نیک نام آتے تھے برسانے کو پتھر ہم پر
جب کہ ہم عشق میں بدنام ہُوا کرتے تھے

یاد کیجے وہ زمانہ ہو اگر آپ کو یاد
خاص جتنے بھی تھے سب عام ہُوا کرتے تھے

چشمِ واعظ میں ہم آوارہ و کافر تھے کہ ہم
اپنا طَوف اپنا ہی احرام ہُوا کرتے تھے

کون کافر تھا خدا کردیا کس نے آباد
کعبۂ دل میں تو اصنام ہُوا کرتے تھے

☆

اپنی زَد پر تھے کھڑے ہم کو تو بچنا کیا تھا
جو ہُوا ٹھیک ہُوا اور تو ہونا کیا تھا

مَرتے مَرتے ہی مَرے درد کی لذّت کے حریص
بے مداوا جو نہ مَرتے تو مداوا کیا تھا

اُف یہ اطراف میں پھیلی ہوئی اشیا کا ہجوم
ہائے اِس شور میں اک دل کا دھڑکنا کیا تھا

بے دلی ہائے نظارہ کہ مجھے یاد نہیں
سرسری دیکھا تھا کیا اور نہ دیکھا کیا تھا

رات اُس بزم میں تصویر کے مانند تھے ہم
ہم سے پوچھے تو کوئی شمع کا جلنا کیا تھا

☆

یہی تلاش ہے ''کیوں'' کیوں ہے اور ''کیا'' کیا ہے
خبر تو دو کوئی مجھ کو مجھے ہوا کیا ہے

نہ میں تلاش کروں خود کو پیشِ آئینہ
نہ یہ سوال اُٹھاؤں کہ آئینہ کیا ہے

یہ تُو نے کس طرح جانا کہ میں خُدا نہیں ہوں
تجھے خبر ہے خدا کون ہے خدا کیا ہے

دِکھا نہ شکل ، وضاحت نہ کر ، نہ دے تفصیل
اشارتاً ہی بتا دے تُو سوچتا کیا ہے

جہانِ کُن فیہ کوں کچھ نہیں ہے ''ھُو'' کے سوا
یہی کُھلا نہیں تُجھ پر تو پھر کُھلا کیا ہے

یہ شام پھر نہیں آئے گی لے کے یار کو ساتھ
نوید جام اُٹھا کل کی سوچتا کیا ہے

☆

خود سے گزرے نہیں تم اور نہ خدا تک پہنچے
اک خلا سے چلے اور ایک خلا تک پہنچے

درمیاں میں ہی تمہیں کھا گئی تفصیلِ عدد
صفر سے تم نہ چلے اور نہ ''لا'' تک پہنچے

کس طرح تم پہ کُھلے اوّل و آخر کا فسوں
خامشی سے نہیں گزرے نہ صدا تک پہنچے

تم نے کیا ڈھونڈا ، تمہیں کیا مِلا ، یہ تم جانو
ہم بقا ڈھونڈ رہے تھے سو فنا تک پہنچے

درد کی چھوڑو کہ وہ وہم بھی ہو سکتا ہے
یہ بتاؤ مجھے تم ، کیسے دوا تک پہنچے

☆

کہا کس نے سُکون چاہیے ہے
کام کو اک جنون چاہیے ہے

کہا مَیں نے کہ چاہیے ہے کیا
کہا اُس نے کہ خون چاہیے ہے

بے ثباتی ، ثبات ہے درکار
بے فسونی ، فسون چاہیے ہے

اے حقیقت بُرون اپنی جگہ
وہم کو تو دُرون چاہیے ہے

کون سا زخم ، کون سا مرہم
دل کو تو اک شگون چاہیے ہے

☆

"ہے" کے خلا میں گُم ابدیّت کو خیر باد
اے ذات کے "نہیں" تری غَیبت کو خیر باد

اے ساکنانِ دیر و حرم سب کو الوداع
مذہب، دھرم، گماں، دہریّت کو خیر باد

اپنے نشے میں ڈوبی طریقت کو الوداع
خود کو فریب دیتی شریعت کو خیر باد

بس اک خیالِ "ھُو" نے مجھے کر دیا ہے مست
شکّ و یقین و وہم و حقیقت کو خیر باد

میں نے بسا لیا ہے الگ اک جہانِ "ھُو"
یعنی جہانِ کثرت و وحدت کو خیر باد

☆

کیا اپنے کُل کو جزوِ تماشا کریں گے آپ
یا دُور ہی سے ہونے کو دیکھا کریں گے آپ

اپنی تلاش، اپنی طلب، اپنی جستجو
یہ بھی نہیں کریں گے تو پھر کیا کریں گے آپ

ہونے سے اپنی جان چھڑائیں گے کس طرح
کیا خود سے جینے مرنے کا جھگڑا کریں گے آپ

جب آپ جانتے ہی نہیں آپ کون ہیں
کس منہ سے اُس نظر کا تقاضا کریں گے آپ

خود سے گزر کے آگئے اب یہ بتایئے
کیا چپ رہیں گے یا کوئی دعویٰ کریں گے آپ

☆

قطرے کا تھا کیا ہونا جو دریا کا نہ ہوتا
یوسفؑ نہ تھا یوسفؑ جو زلیخا کا نہ ہوتا

بے صورتِ لیلیٰ سنورنے کہاں جاتی
کیا ہوتا اگر قیس بھی لیلیٰ کا نہ ہوتا

کُھل جاتے جو اِس دل پہ محبت کے معانی
ہو جاتا یہ پتھر کا تمنا کا نہ ہوتا

دیں داروں پہ کُھل جاتی جو دنیا کی حقیقت
یہ حال خداوند کی دنیا کا نہ ہوتا

اعداد سے گزرا ہوں تو یہ مجھ پہ کھلا ہے
ہوتا نہ اگر صفر کا میں ''لا'' کا نہ ہوتا

☆

لائیں افلاک سے یا کاہکشاں سے لائیں
دوستی کے لیے سقراط کہاں سے لائیں

تم یہ کہتے ہو بس امکان ہے ہونے کی دلیل
ہم محالِ محض امکان کہاں سے لائیں

کیا ضروری ہے کہ ہم ذات کے ہونے کا جواز
رَمِ سیّارہ و اجسامِ رواں سے لائیں

لا مکانی میں جئیں رہ کے مکاں میں یعنی
لا زمانی کا تصوّر بھی زماں سے لائیں

ہم تو سمجھے ہیں اضافی ہے نہ مطلق ہے وجود
ہاں مگر کیسے دلیل اِس کی گماں سے لائیں

☆

جو عالم ''ھُو'' کا عالم ہے وہ پہنائی سے آگے ہے
وہ تنہائی سے آگے ہے وہ یکتائی سے آگے ہے

وہی تو کھولتی ہے عقل و دل پر نو بہ نو عالم
وہی اک اجنبیّت جو شناسائی سے آگے ہے

حقیقت میں وہی عالم الوہیّت کا عالم ہے
جو خودرائی سے آگے ہے خود آرائی سے آگے ہے

ہمیں معلوم ہے آرائشِ جلوہ تکلّف ہے
یہ زیبائی ہے پردہ، حسن زیبائی سے آگے ہے

مگر یہ بات کوئی وہم کو کس طرح سمجھائے
حقیقت ہے اگر کوئی تو پیدائی سے آگے ہے

ہے یوسف کی حقیقت خوابِ یوسف سے گزر جانا
زلیخا کی تمنا تو زلیخائی سے آگے ہے

ترا ہنسنا ہے اک نغمہ ترا رونا ہے اک نوحہ
مگر وہ نغمہ و نوحہ جو شہنائی سے آگے ہے

☆

بتا اے خلقتِ انساں تیری تخلیق کو وسعت میں کیا لکھوں
خدا نے جس کو فرصت میں بنایا ہو اُسے عجلت میں کیا لکھوں

خدا نے اپنی صورت پر تجھے پیدا کیا ہے فطر پر فاطر
نہ لکھوں گر خدا تجھ کو تو پھر میں خانۂ فطرت میں کیا لکھوں

میں تجھ کو سوچتا ہوں جب خدا مجھ کو تِری تخلیق لگتا ہے
نہ یہ لکھوں تِری قدرت کے بارے میں تو پھر قدرت میں کیا لکھوں

مسافر راہِ امکاں کا ہے تُو ارض و سما ہیں گردِ پا تیرے
ہر اک قد سے تجھے بالا نہ لکھوں پھر تِری قامت میں کیا لکھوں

تُو ہی پردہ تُو ہی جلوہ تو ہی پنہاں تو ہی پیدا تو ہی قبلہ
میں تجھ کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوں بول اِس حیرت میں کیا لکھوں

مِری تنہائی کو تو نے کیا ہے پاک مجھ میں برہنہ ہو کر
تجھے دیکھوں ، تجھے چاہوں ، تجھے پوجوں، تجھے خلوت میں کیا لکھوں

☆

خدائے ہست مقدّم رکھوں کہاں کی فکر
میں اپنی فکر کروں یا کروں جہاں کی فکر

کھلے تو کیسے خدا مجھ سے چاہتا کیا ہے
زمیں پہ رہ کے رکھوں کیسے آسماں کی فکر

کسی طرح مگر امکان مطمئن نہ ہوا
یقین لاتی رہی ڈھونڈ کر گماں کی فکر

سفر میں رکھتا ہے ہر وقت ہم کو عالمِ ''ھُو''
ہماری دربہ دری ہی ہے آشیاں کی فکر

سبھی کو چاہیے ہے رازداں سے رازِ حیات
مگر کسی کو نہیں ہائے رازداں کی فکر

مری ''نہیں'' سے الجھتا رہا جہانِ وجود
مِری ''نہیں'' میں تھی پوشیدہ ایک ''ہاں'' کی فکر

☆

سِوا تلاش کیا ماسِوا تلاش کیا
کہیں مِلی نہ مُحبت بڑا تلاش کیا

یہ بات کوئی شکم سیر کس طرح سمجھے
کہ مَیں نے رزق کی صورت خُدا تلاش کیا

اُسی نے مجھ کو عطا کی پیمبری یعنی
وہ ایک دکھ کہ جو مَیں نے نیا تلاش کیا

ادا اُسی نے کیا حقِّ زندگی یعنی
وہ جس نے اپنا کوئی مسئلہ تلاش کیا

مِلے تو کیسے حقیقت تُجھے کہ جب تو نے
نہ ''کیوں'' تلاش کیا اور نہ ''کیا'' تلاش کیا

مقامِ ''ھُو'' تُجھے کیسے مِلے کہ جب تُو نے
نہ ''ہے'' تلاش کیا اور نہ ''تھا'' تلاش کیا

☆

آتشِ دل کو جو شعلے سے فزوں دیکھتے ہیں
شمع کی لَو میں وہی شمع کا خوں دیکھتے ہیں

کود پڑتے ہیں سرِ آتشِ ہنگامِ سوال
ہم نہ "کیا" دیکھتے ہیں اور نہ "کیوں" دیکھتے ہیں

درد کا حد سے گزر جانا ہے اور کچھ بھی نہیں
میرے چہرے پہ جو یہ آپ سکوں دیکھتے ہیں

آپ کو صورتِ لیلیٰ نظر آئے کیوں کر
آپ تو حالتِ مجنوں میں جنوں دیکھتے ہیں

بس وہی دیکھتے ہیں روئے حقیقت یعنی
اپنی آنکھوں سے جو خود اپنا ہی خوں دیکھتے ہیں

☆

ہر دردِ لا دوا کی دوا کر رہا ہوں میں
آمین سب کہو کہ دعا کر رہا ہوں میں

خوش کر رہا ہوں یعنی خدا کی خدائی کو
سب کے بھلے میں اپنا بھلا کر رہا ہوں میں

پہنچیں گے میرے عشق کو کیا بندگانِ خوف
سجدہ نہ کر کے سجدہ ادا کر رہا ہوں میں

اس پر کھُلوں گا جس پہ کھلے خامشی کا راز
یعنی صدا نہ کر کے صدا کر رہا ہوں میں

کیوں رو رہا ہے عشق یہ کیوں ہنس رہی ہے عقل
کیا پھر کسی کو اپنا خدا کر رہا ہوں میں

کر کے قبول اپنی ہر اک بے حیائی کو
اپنے حضور اپنی حیا کر رہا ہوں میں

جس نے نہ کچھ کیا نہ کبھی جس سے کچھ ہوا
وہ مجھ سے پوچھتا ہے کہ کیا کر رہا ہوں میں

☆

اے خدا بھیجا ہُوا ہوں کہ نکالا ہُوا ہوں
اسی گتھی کو میں سلجھانے میں الجھا ہوا ہوں

تم سمجھتے ہو کہ یہ راہگزر ہے کوئی
میں وہاں ہوں نہیں یعنی جہاں بیٹھا ہوا ہوں

بے دلی کا تو ہے احوال بیاں سے باہر
ایک مدّت سے ترسنے کو بھی ترسا ہوا ہوں

ہائے کیونکر میں ہنسوں ہائے میں روؤں کیونکر
جبکہ خود اپنے تماشے سے میں گزرا ہوا ہوں

اک حقیقت کی طرح دیکھ رہا ہوں خود کو
اپنے ہی خواب میں اِس وقت میں آیا ہوا ہوں

میں ہوں آپ اپنا سوال آپ ہوں میں اپنا جواب
خود ہی پوچھا ہوا ہوں خود ہی بتایا ہوا ہوں

عالم اکبر و اصغر میں نہ کر مجھ کو تلاش
میں کہیں ہوں نہ کہاں ھُو میں سمایا ہوا ہوں

☆

یہ عقل کیوں دی خدایا یہ آگہی کیوں دی
جو مارنا ہی تھا مجھ کو تو زندگی کیوں دی

جو بندگی نہ اُٹھائی کسی نے یومِ الست
مِرے جنون کو تو نے وہ بندگی کیوں دی

مجھے تو یوں بھی خدا بننے کا نہ تھا کوئی شوق
یہ مَیں سمجھ نہ سکا مجھ کو بے خودی کیوں دی

الٰہی تو متکبّر ہے یہ سوال نہیں
سوال یہ ہے مجھے تو نے عاجزی کیوں دی

وگرنہ اپنی ہی نا سمجھی پر ہنسوں گا مَیں
وگرنہ مجھ کو یہ سمجھا مجھے ہنسی کیوں دی

جہاں ہیں دیر و حرم بائیں دائیں سنگ بہ دست
مجھے گزر نے کو یارب وہی گلی کیوں دی

کسی کو تو نے دیا غم تو دی کسی کو خوشی
یہ میں نہ جان سکا مجھ کو بے دلی کیوں دی

الٰہی جاہلیت سے بھرے زمانے میں
کُھلا نہ مجھ پہ مجھے تُو نے شاعری کیوں دی

☆

یہ جو ہر لمحہ مہہ و مہر سے وحشت ہے مجھے
بات یہ ہے کہ اُن آنکھوں سے محبت ہے مجھے

اپنے ہی حُسن پہ عاشق تو نہ ہوگا کوئی
آئنہ دیکھتا رہتا ہوں کہ حیرت ہے مجھے

جو حریفِ نگہہِ بوالہوساں ہے یارو
اک وہی حسن تو قامت میں قیامت ہے مجھے

رات دن مثلِ مہہ و مہر برستا ہے وصال
پھر بھی اک سادہ و کم شوق کی حسرت ہے مجھے

ہوں کسی خواب کی ترتیب میں مصروف مگر
ایسا لگتا ہے کہ اک عمر سے فرصت ہے مجھے

تیری راتوں میں بہت حسن دمکتا ہے مگر
اے مِرے شہر تِری شام سے وحشت ہے مجھے

☆

تھا ناسمجھ جو بقا کو فنا سمجھ رہا تھا
جزا تھی وہ کہ جسے مَیں سزا سمجھ رہا تھا

نہ وہم تھا نہ حقیقت، گُمان تھا نہ یقیں
وہ جس کو مَیں تِرا بندِ قبا سمجھ رہا تھا

کُھلا یہ مجھ پہ کُھلی مجھ پہ جب حقیقتِ "ھُو"
وہ وہم تھا کہ جسے میں خدا سمجھ رہا تھا

جہاں دوا کو یہ دنیا تلاش کر رہی تھی
تھا کون درد کو ہی جو دوا سمجھ رہا تھا

ہِلا رہا تھا سَر اثبات میں جو سُن کر بات
وہ شخص مجھ کو یہ سمجھائے کیا سمجھ رہا تھا

☆

اور کیا ہے بَلا ہے میرے لیے
اچھا ہونا بُرا ہے میرے لیے

سجدہ ریزی مِلی ہے سب کو جہاں
تکنے کو بس خلا ہے میرے لیے

شبہہ، شک، واہمہ ، گمان ، قیاس
کیا کوئی دَر کُھلا ہے میرے لیے

کون جانے کہ میری خلوت میں
وہ برہنہ ہُوا ہے میرے لیے

مُجھ سے مِل کر ہی کیجئے گا طَے
آپ نے جو سُنا ہے میرے لیے

☆

پڑی وہ گرد کہ ’’ہے‘‘ اور ’’تھا‘‘ بھی بھُول گیا
ہمارا چہرہ تو اب آئنہ بھی بھُول گیا

اٹھا وہ درد کہ بس مُسکرانا یاد رہا
دوا بھی بھول گیا مَیں دُعا بھی بھول گیا

میرے سوال نے پٹخا ہے مُجھ کو لا کے کہاں
میں ’’کیوں‘‘ بھی بھول گیا اور ’’کیا‘‘ بھی بھول گیا

تجھے یہ غم ہے ترا مدّعا نہ بَر آیا
مُجھے تو دیکھ کہ مَیں مدّعا بھی بھول گیا

زمانے والے تو بھُولے ہوئے ہی تھے ہم کو
یہ لگ رہا ہے مگر اب خُدا بھی بھُول گیا

اچانک اُس پہ جو اندوہِ نارسائی کُھلا
فقیر کو وہ لگی چُپ صدا بھی بھُول گیا

☆

بارِ افلاک اُٹھا سکتا ہُوں
آپ کا ہاتھ بٹا سکتا ہُوں

بیٹھ جائے جو مِری صحبت میں
اُس کو درویش بنا سکتا ہُوں

یہی کر سکتا ہُوں مَیں کاسہ بدست
اک صدا اور لگا سکتا ہُوں

آپ کوئی دلیل تو دیجے
شور تو مَیں بھی مچا سکتا ہُوں

رُوٹھ جاؤں تو نہ آؤں کسی ہاتھ
مُجھ کو بس مَیں ہی منا سکتا ہُوں

زرد چہرہ کہاں لے جاؤں مگر
درد تو سب سے چھپا سکتا ہوں

زور پر اپنی بندگی کے نویدؔ
اک خُدا مَیں بھی بنا سکتا ہُوں

☆

دل سے ترا خیال نکل ہی نہیں رہا
بہلا رہا ہوں دل کو بہل ہی نہیں رہا

ڈوبا ہی جا رہا ہُوں مَیں تیرے فراق میں
دل ساتھ لے کے نبض کو چل ہی نہیں رہا

گو صورتیں ہزار ہیں نظروں کے سامنے
چہروں سے تیرا چہرہ بدل ہی نہیں رہا

آتا تھا تیرے ہوتے دل اوروں پہ بھی مگر
اب دیکھ کر کسی کو مچل ہی نہیں رہا

نکلی ہی جارہی ہے تنِ ناتواں سے جاں
صحت کا حال ہے کہ سنبھل ہی نہیں رہا

شعلہ سا جل رہا ہوں میں تیرے فراق میں
تُو ہے کہ شعلگی سے پگھل ہی نہیں رہا

تیزی سے کر رہا ہے مُعطّل مِرے حواس
دل کو ترا خیال مَسَل ہی نہیں رہا

اب خواب گاہِ دل میں اندھیرا ہے تیرے بعد
سرہانے اک چراغ تھا جل ہی نہیں رہا

کیوں مر نہ جائے گھٹ کے یہ سینے میں تجھ سے دور
اِس دل کے پاس اب کوئی حل ہی نہیں رہا

☆

کہاں تک شورِ تنہائی سُنو گے
اکیلے کب تلک بیٹھے رہو گے

زمیں پر اپنا کوئی کام دیکھو
ستارے کب تلک آخر گنو گے

نہیں ہے بس میں، ہے بس میں تمہارے؟
تصّور میں حقیقت ڈھونڈ لو گے؟

حقیقت سے جو تم کترا رہے ہو
تم اپنا سامنا کیسے کرو گے

اک ایسی بات پر مَیں رو رہا ہوں
جسے سُن کر تُم اہلِ دل ہنسو گے

نہ کہہ کر کب کہو گے بات دل کی
نہ لکھ کر یہ بتاؤ کب لکھو گے

نہ روکوں تو چلے جاؤ گے کیا تم
اگر روکوں تو کیا تم رُک سکو گے

یہاں رہتے ہیں سب اللہ والے
یہاں کِس کِس سے تم جھگڑا کرو گے

مِلو گے میر صاحب سے ہی پھر تُم
اگر تُم میر صاحب سے مِلو گے

☆

عشق تیزی سے نظر بھی نہ بدل پائے گا
حُسن پھر اور کسی رنگ میں آجائے گا

بوالہوس کرہی گئی حُسن پرستی تجھ کو
دلِ وحشی تجھے کتنا کوئی سمجھائے گا

غیب کی بات نہ کر دیدۂ دل کے آگے
دل تو مانے گا اُسی کو جو نظر آئے گا

کیا پیے گا نہ پیے گا وہ اگر خونِ جگر
دل کلیجہ نہیں کھائے گا تو کیا کھائے گا

اتنی شدّت سے مجھے یاد نہ آؤ ورنہ
جتنا یاد آؤ گے دل اُتنا ہی گھبرائے گا

اپنے ہی دل میں کہیں ڈوب گیا ہے جو نویدؔ
دیکھ لینا کہ وہ اندر کی خبر لائے گا

☆

ایک سے پیار کر رہا ہوں مَیں
سب کا انکار کر رہا ہوں میں

اپنی تعمیر کے لیے یعنی
خود کو مسمار کررہا ہوں میں

سو کے دراصل صورتِ سگِ کہف
خود کو بیدار کر رہا ہوں میں

کار آمد بنانا ہے خود کو
خود کو بیکار کر رہا ہوں میں

بیٹھنا ہے خود اپنے سائے میں
خود کو دیوار کر رہا ہوں میں

ہے بہانا مجھے خود اپنا لہو
خود کو تلوار کر رہا ہوں میں

مجھ کو دنیا میں دل لگانا ہے
خود کو بیزار کر رہا ہوں میں

دی گئی ہے مُجھے مسیحائی
خود کو بیمار کر رہا ہوں میں

خود سے یاری مجھے نبھانی ہے
خود کو بے یار کر رہا ہوں میں

مجھ کو مرنا ہے موت سے پہلے
خود کو تیار کر رہا ہوں میں

☆

کوئی نغمہ کیوں سناؤں کوئی نوحہ کیوں کروں
شور میں کون و مکاں کے میں اضافہ کیوں کروں

کون ہوں میں کس لیے دوں اپنی بے نامی کو نام
آخر اِس بے چہرگی کو اپنا چہرہ کیوں کروں

ایک دُنیا تو رہے مشغول اپنے کام میں
اور مَیں خلوت میں تنہا بیٹھ کر ''کیا'' ''کیوں'' کروں

اِس تعلق کی کوئی کیا دوسری صورت نہیں
کیوں کروں تجھ کو خدا میں خود کو بندہ کیوں کروں

قطرہ ہائے دل ٹھکانے ہی لگانا ہے تو پھر
کر نہ لُوں خود کو گُہر مَیں خود کو دریا کیوں کروں

سامنے ہیں آپ میرے کیوں نہ چاہوں آپ کو
جس کو دیکھا ہی نہیں اُس کی تمنا کیوں کروں

جس کسی کی جو سمجھ میں آرہا ہے وہ کرے
اپنی موجودی کا میں دُنیا سے جھگڑا کیوں کروں

ماضی و فردا نہ کیوں لے آؤں اپنے حال میں
ذکرِ ماضی کیوں کروں میں فکرِ فردا کیوں کروں

☆

زانو سے سَر اُٹھایئے ، صُبح ہوگئی جناب
جایئے دن کمایئے، صبح ہوگئی جناب

مہرِ فلک ہُوا طلوع، کارِ جہاں ہُوا شروع
جایئے خاک اُڑایئے ، صُبح ہوگئی جناب

دن کو سلام کیجئے روز کا کام کیجیے
چرخہ وہی چلایئے، صبح ہوگئی جناب

یہ ڈگڈگی اُٹھایئے، کہ خلق کو نچایئے
ہنسایئے، رُلایئے، صُبح ہوگئی جناب

کیجیے بے دری کو دَر، کیجیے بے گھری کو گھر
خود کو کہیں کھپایئے، صُبح ہوگئی جناب

☆

آئینہ وہمِ دید ہے حیرت میں کُچھ نہیں
سب کچھ خیال میں ہے حقیقت میں کچھ نہیں

ہر حال سے گزر کے کھُلا اہلِ عشق پر
بے حالتی ہے حال کی حالت میں کچھ نہیں

اس کچھ نہیں نے کیا کہیں کیا کچھ نہیں دیا
ویسے جو دیکھیے تو محبت میں کچھ نہیں

اس جستجوئے خواب کا حاصل کچھ اور ہے
منزل میں کچھ نہیں ہے مسافت میں کچھ نہیں

گزرے بغیر کیسے کھلے گا یہ عشق پر
کچھ بھی نہیں ہے وصل کی حسرت میں کچھ نہیں

آہنگ و رنگ و حرف و بیاں ہوں اگرچہ سب
تُو ہی اگر نہیں تو حکایت میں کچھ نہیں

آخر کُھلے گا تجھ پہ جب اُترے گا یہ خمار
جُز نشۂ خمار عبادت میں کچھ نہیں

☆

ترے وجود میں جب ''تُو'' مچل گیا ہوگا
خدایا کُن ترے منہ سے نکل گیا ہوگا

ادھر اُدھر ہیں سبھی غیب کے تمنائی
اِدھر اُدھر ترا جادو تو چل گیا ہوگا

جنونِ عشق میں مجنوں کی شعلگی مت پوچھ
قدم کے رکھتے ہی صحرا تو جل گیا ہوگا

برائے دید جو آئینہ دے گیا ہے مجھے
وہ اپنے چہرے سے چہرہ بدل گیا ہوگا

سنبھالا جا نہ سکا جو کسی اقامت سے
خود اپنے قدموں میں گر کر سنبھل گیا ہوگا

وہ لا جواب جسے سب سمجھ رہے ہیں خدا
سوال بن کے مِرے دل میں پَل گیا ہوگا

☆

اس آئینے سے بہانا بہت ہی مُشکل ہے
کہ خود سے خود کو چھپانا بہت ہی مُشکل ہے

خدا گواہ کہ پردے کے اُس طرف بھی ہے تُو
مگر یہ پردہ اُٹھانا بہت ہی مشکل ہے

خدا تلاشی میں ہے خود کو ڈھونڈنا آسان
خُدا سے پیچھا چھڑانا بہت ہی مُشکل ہے

کسی بھی حال میں کوئی تو چاہیے ہے خدا
خلش سے دل کو بسانا بہت ہی مُشکل ہے

مگر یہ دل ہے اِسے کون عقل سمجھائے
خیال کا نظر آنا بہت ہی مُشکل ہے

☆

ہر ایک حیرت و حسرت سے میں نکل آیا
فریب ہائے عبادت سے میں نکل آیا

مرے لیے نہیں معبود و عبد کا جھگڑا
کہ ہر بغاوت و بیعت سے میں نکل آیا

اب اس جنون کی بے حالتی کو دوں کیا نام
فراق و وصل کی حالت سے میں نکل آیا

خدایا کس طرح مَیں خود کو بے خیال کروں
اگرچہ وہمِ حقیقت سے میں نکل آیا

کہاں کے دَیر و حرم اور کہاں کے بادہ و زلف
ہر ایک حلقۂ وحشت سے میں نکل آیا

☆

سوچوں خدا ہے کیا کہ میں سوچوں خدا ہے "کیوں"
یا سوچوں ہر سوال مجھی کو مِلا ہے کیوں

ہے کے "نہیں" کے بعد "نہیں" کا "نہیں" بھی ہے
ملحد کو ہر سوال ادھورا مِلا ہے کیوں

اِس سے سنا ہے، اُس نے کہا ہے ، یہ مت بتا
سمجھا مجھے خدا کو مانتا ہے کیوں

جا کر سرِ فلک لڑیں یزداں و اہرمن
آخر مری زمین پہ جھگڑا مچا ہے کیوں

تو نے کبھی سوال کیا اپنے آپ سے
جینا مِلا ہے کیوں تجھے مرنا مِلا ہے کیوں

ہر دو سبب سے تو جو نہیں ہے خدا اگر
یہ درد کس لیے ہے بتا یہ دوا ہے کیوں

مجھ میں نہیں خدا کے لیے کوئی بھی جگہ
مجھ میں بسا ہے "کیا" مِرے اندر بسا ہے "کیوں"

سب جا رہے ہیں دیر و حرم زور و شور سے
تو رہگزر میں اس طرح بے حِس پڑا ہے کیوں

☆

چاہے آوارہ پھر و تم چاہے اپنے گھر رہو
کیا غرض دنیا کو اِس سے جی رہو یا مَر رہو

بات لے کے آؤ کوئی تازہ تر تو بات ہے
ذات کے اندر رہو یا ذات سے باہر رہو

ہے اگر توفیق کر دے گی تمہیں سیراب پیاس
گر نہیں توفیق تو پیاسے لبِ کوثر رہو

جانے کب ہو جائے پیشی عشق کی پیشِ خدا
تم بھی اپنے خون سے اپنا پیالہ بھر رہو

اپنا اندازِ بیاں ہر گز بدلنا مت نویدؔ
چاہے بیٹھو خاک پر چاہے سرِ منبر رہو

☆

عاشقی پھر شروع کردی ہے
دل لگی پھر شروع کردی ہے

آ گیا ہوں گُزر کے مَوت سے میں
زندگی پھر شروع کردی ہے

کردیا ہے خُدا کا پھر انکار
بندگی پھر شروع کردی ہے

راستی پر میں آ گیا ہوں پھر
گمرہی پھر شروع کردی ہے

اٹھ گیا ہے الوہیت سے دل
بُت گری پھر شروع کر دی ہے

نہ ہُوا جب سپردگی میں بھلا
خود روی پھر شروع کردی ہے

توبہ سے کر کے میں نے پھر توبہ
مے کشی پھر شروع کردی ہے

آپ ہی ترک کی تھی رسمِ جنوں
آپ ہی پھر شروع کردی ہے

پھر اُسے آرہا ہے میرا خیال
بے رُخی پھر شروع کردی ہے

پھر وہی میں ہُوں پھر وہی وحشت
شاعری پھر شروع کردی ہے

☆

ہے تیرا چہرہ تو کیوں، ہے تو آئنہ کیوں ہے
کر ان پہ غور انہیں حیرت سے دیکھتا کیوں ہے

ہر اک سے مجھ کو شکایت کہ سوچتے نہیں کیوں
ہر اک کو مجھ سے شکایت کہ سوچتا کیوں ہے

اگر نہیں ترے پاس اپنے مسئلے کا حل
ہر اک کا مسئلہ ہر اک سے پُوچھتا کیوں ہے

اگر سبھی یہاں لایعنی ہے عبث ہے تو پھر
یہ سوچتا ہوں مجھے سوچنا مِلا کیوں ہے

اگر نہیں مری آواز وقت کی آواز
زمانہ پھر مرے لہجے میں بولتا کیوں ہے

☆

کیونکر ہوں تم سے کیا کہوں کیونکر نہیں ہوں میں
اکثر ہوں اپنے آپ میں اکثر نہیں ہوں میں

جب لوح میں ہے لوح قلم میں قلم ہے جب
ممکن نہیں کہ اپنے ہی اندر نہیں ہوں میں

کیا اُس کو علمِ گردشِ سیارگاں نہیں
یہ کون کہہ رہا ہے کہ محور نہیں ہوں میں

کھولا یہ مجھ پہ ہونے نہ ہونے کے راز نے
یکسر اگر نہیں ہوں تو یکسر نہیں ہوں میں

تُو خود نہیں جواب کے پردے میں اے خدا
کہتا ہے کیا سوال کے اندر نہیں ہوں میں

مجھ سے سوائے مستی نہ کچھ اور کر طلب
دل سے خلش نکال خدا گر نہیں ہوں میں

تو اپنا منہ اٹھا کے نہیں سر جھکا کے آ
میں خاک پر ہوں یعنی فلک پر نہیں ہوں میں

جائز ہے پھر موازنہ بالا و پست کا
قد میں جب اپنے قد کے برابر نہیں ہوں میں

درویش ہوں، فقیر ہوں، سالک ہوں، رند ہوں
جو بھی ہوں اپنے آپ سے چُھپ کر نہیں ہوں میں

کارِ جنوں نے مجھ سے کیا مجھ کو بے خبر
کیا خود کو روؤں خود کو میسّر نہیں ہوں میں

بہتر یہ ہے کہ بات پہ تُو میری غور کر
کیا دے رہا ہے داد سخنور نہیں ہوں میں

رجعت کا راز اُس پہ کھلا ہی نہیں نویؔد
جس نے بھی یہ کہا ہے مکرّر نہیں ہوں میں

☆

اس مشکلِ نظارہ کو آساں کرے گا کون
مجھ چشمِ سنگ دیدہ کو حیراں کرے گا کون

اک پردۂ حجاب سے لپٹے ہوئے ہیں سب
تابِ برہنگی تجھے عریاں کرے گا کون

''ہے''،''ہے'' کی رٹ لگائے ہوئے ہیں سبھی یہاں
آئی صدا نہیں کی تو پھر ہاں کرے گا کون

یہ سوچ لے کہ دل کو اگر عقل آگئی
پھر خود کو نذرِ آتشِ امکاں کرے گا کون

محفل کے درمیاں سے اگر خوف اُٹھ گیا
تیری ہر ایک بات پہ ہاں ہاں کرے گا کون

قاتل بھی میرا تو ہے مِرا خوں بہا بھی تو
ایسا اگر نہیں ، ترا ارماں کرے گا کون

☆

مقامِ ''ھُو'' سے کچھ ایسا جُڑا ہُوا ہے فقیر
خود اپنی انتہا خود اپنی ابتدا ہے فقیر

تجھے تلاشِ حقیقت ہے گر مسافرِ وہم
تو چل اُدھر کی طرف جس طرف چلا ہے فقیر

وہ اک سوال جو تُو خود سے پُوچھتا ہی نہیں
اُسی سوال کے اندر چُھپا ہُوا ہے فقیر

وہی تو اس کا ہے مَسکن جو تیری شہہ رگ ہے
جو تیرے دل کی ہے دھڑکن وہی صدا ہے فقیر

یہ کائنات یہ انسان یہ خُدا یہ دین
ہر اک سِرا ہے نہاں جس میں وہ سِرا ہے فقیر

☆

کِیا دَر ''ھُو'' کا وا، رازِ نہاں پہنچا دیا ہے
زمیں تک مَیں نے یعنی آسماں پہنچا دیا ہے

دھڑکتی ہے دھڑکنے میں تِرے ''ھُو'' کی حقیقت
تُجھے اِس عقل نے اے دل وہاں پہنچا دیا ہے

مکمل کردیا ہے دینِ ''ھُو'' اے دل فگارو
کہ تم تک کارِ دل ، کارِ جہاں، پہنچادیا ہے

اشارہ یہ جرس کا ہے یہ ہے ناقوس کا مژدہ
کہ تم تک مَیں نے''ھُو'' کا کارواں پہنچادیا ہے

ارادہ کب کرو گے کب سفر پر''ھُو'' کے نکلو گے
یقیں پہنچا دیا تم تک گُماں پہنچادیا ہے

تمھیں اب ابتدا سے کیا تمھیں اب انتہا سے کیا
کہ مَیں نے تُم کو''ھُو'' کے درمیاں پہنچا دیا ہے

☆

درونِ قلب کسک ڈالنے کو آیا ہوں
ترے یقین میں شک ڈالنے کو آیا ہوں

جہانِ کہنہ کا آتش کدہ پڑا ہے سرد
میں نارِ نَو کی دہک ڈالنے کو آیا ہوں

جنونِ کہنہ سے پژمردہ ہیں جو دل اُن میں
نئے جنوں کی للک ڈالنے کو آیا ہوں

ہے موج موج لبالب اگرچہ بحرِ شعور
میں بس ذرا سی چھلک ڈالنے کو آیا ہوں

پسِ نسیم و صبا کھولنے کو بندِ نمو
کلی کلی میں چٹک ڈالنے کو آیا ہوں

اگرچہ باغ کھِلا ہے مگر ہے بے خوشبو
وجودِ گل میں مہک ڈالنے کو آیا ہوں

پڑا ہے بےحس وحرکت ازل سے طفلکِ عقل
جسد میں اُس کے ہمک ڈالنے کو آیا ہوں

قبول و رد کو سب آساں سمجھ رہے ہیں بہت
میں درمیاں میں جھجھک ڈالنے کو آیا ہوں

مَیں لکھ کے اِک نیا نغمہ برائے طائرِ نَو
فسردہ دل میں چہک ڈالنے کو آیا ہوں

☆

کسے ہے غم جو غبارِ سفر لباس ہُوا
کہ میں حواس میں آنے کو بے حواس ہُوا

جنوں پہ گزرا ہُوا بھی اگر نہیں الہام
تو پھر جو عقل نے سوچا وہ کیا قیاس ہُوا

ہُوا نکاتِ حکیمانہ کی تلاش میں گُم
کسی بھی وقت اگر دل مِرا اُداس ہُوا

خدا کو مان یونہی عقل و دل سپرد نہ کر
کرے گا کیا جو یقیں بھی اگر قیاس ہُوا

کسے دماغ کہ رکھے خیالِ نزد و دُور
کہ کون دُور ہوا اور کون پاس ہُوا

ہمیں نہ جان سکا کوئی جان کر چہرہ
ہمارے شعر کو پہنچا تو روشناس ہُوا

☆

سانس لینے نہ ٹھہرنے کے لیے ہوتا ہے
وقت تو صرف گزرنے کے لیے ہوتا ہے

بحر ہرگز نہیں ہوتا پئے سیرِ ساحل
بے خطر تہہ میں اُترنے کے لیے ہوتا ہے

یہ جو رکھا ہے تِرے دل میں حقیقت نے خلا
یہ خلا وہم سے بھرنے کے لیے ہوتا ہے

تھام ہاتھوں میں لجامِ فَرسِ ماہ و نجوم
ہاتھ کیا ہاتھ پہ دھرنے کے لیے ہوتا ہے

راستے کو کیا اِس واسطے منزل میں نے
یہ جہاں بھی ہو گزرنے کے لیے ہوتا ہے

سادھ لے دم کہ محبت میں یہ شیرازہ دل
نہ سمٹنے نہ بکھرنے کے لیے ہوتا ہے

کارِ دل، کارِ جہاں، کارِ جنوں، کارِ خرد
کام کوئی بھی ہو کرنے کے لیے ہوتا ہے

☆

نہ ''کیوں'' کے پیچھے پھرو اور نہ ''کیا'' تلاش کرو
جو ہے وجود کے اندر وہ ''لا'' تلاش کرو

مہیّا اپنی ہی تکمیل کا کرو سامان
یہ تم سے کس نے کہا ہے خُدا تلاش کرو

اٹھو کہ خوف سے سجدے میں کیوں پڑے ہوئے ہو
یہ کہہ رہا ہے اندھیرا دیا تلاش کرو

کوئی سبیل نکالو فضا میں اڑنے کی
درونِ ذات کوئی راستا تلاش کرو

نہ سنگ و خشت نہ دیوار و در نہ کوہ و دشت
تمہارے چہرے میں ہے آئینہ تلاش کرو

یہ چاہتے ہو اگر تم کہ عقل ہو نہ مریض
مرض سے پہلے مَرض کی دوا تلاش کرو

ورائے صاحب و بندہ ورائے پست و بُلند
نئے جہان میں انساں نیا تلاش کرو

یہ کیا کہ پایا ہوا پاؤ اِس خرابے میں
کرو تلاش تو ڈھونڈا ہوا تلاش کرو

ہر ایک چیخ رہا ہے مری سنو پہلے
بلا کے شور میں کس کی صدا تلاش کرو

نویدؔ تُم بھی کوئی فلسفی ہو ماضی کے
کہ حل نہ دو کوئی بس مسئلہ تلاش کرو

☆

کب کہا زندگی سے تنگ ہوں میں
اپنی ہی بے دلی سے تنگ ہوں میں

تُو بھی کیا ہے خدائی سے بیزار
اے خدا بندگی سے تنگ ہوں میں

تجھ میں ہوگی زیادتی تیری
مجھ میں اپنی کمی سے تنگ ہوں میں

کہہ رہی ہے یہ زندگی کی چیخ
مَوت کی خامشی سے تنگ ہوں میں

آ رہے ہیں نظر سبھی ہشیار
اپنی دیوانگی سے تنگ ہوں میں

یہ فقط ایک دو کی بات نہیں
دیدہ ور ہر کسی سے تنگ ہوں میں

کوئی آئے تو کیسے آئے قریب
اپنی ہی شعلگی سے تنگ ہوں میں

اے کہ مسجودِ آدم و خاتم
اپنی بے حرمتی سے تنگ ہوں میں

کس کو ٹھہراؤں مُوردِ الزام
در حقیقت مجھی سے تنگ ہوں میں

واقعاً آپ ہی کا ہوں طالب
واقعاً آپ ہی سے تنگ ہوں میں

نہ گئی دل سے حسرتِ تعمیر
گھر کی اِس بے گھری سے تنگ ہوں میں

یا خزاں آئے یا بہار آئے
دل کی اِس مُردنی سے تنگ ہوں میں

مَوت سے دور زندگی سے دور
مستقل جانکنی سے تنگ ہوں میں

اے خدا کوئی گوشۂ گمنام
سب کی دانشوری سے تنگ ہوں میں

☆

نہاں ہے مَوت میں جیسے حیات باقرجی
ہے دن کے پردے میں پوشیدہ رات باقرجی

مگر کُھلے گا یہ فطرت سے ہو کے ہم آہنگ
نہاں ہے ذات میں کُل کائنات باقرجی

کہیں جو پھیلے تو وسعت بھی تنگ پڑ جائے
کہیں جو سمٹے تو نقطہ ہے بات باقرجی

یہ کہہ رہا ہے تغیر مگر سنے تو کوئی
یہیں کہیں ہے اگر ہے ثبات باقرجی

محال سے کبھی گزرو تو یہ کُھلے تم پر
حیات کیا ہے بجز ممکنات باقر جی

ہے کون جس کو نہیں جستجو حقیقت کی
کسے ہے وہم سے آخر نجات باقرؔ جی

یہاں تلک کہ خدا بھی شکار کرتی ہے
کہاں تلک ہے تصوّر کی گھات باقرؔ جی

کسی بھی ذات کو خاطر میں ہم نہیں لاتے
ہمارا مسئلہ ہے صرف بات باقرؔ جی

☆

کسے خبر ہے کہاں سے گُزر کے آ رہا ہوں
خدا کو ڈھونڈنے نکلا تھا مَر کے آ رہا ہوں

چلا تھا پیاس لیے سوئے سمتِ نامعلوم
پیالہ آبِ بقا سے میں بھر کے آ رہا ہوں

جنون و وحشت و آوارگی و ہجر و وصال
جو کام تھے مِرے ذمّے وہ کر کے آ رہا ہوں

تھکن کو جان کے منزل جہاں ٹھہر گئے تم
یہ جان لو میں وہاں سے گزر کے آ رہا ہوں

یہ کون سمجھے کہ میں جن کی ٹھوکروں میں رہا
سر اپنا میں اُنہی قدموں میں دھر کے آ رہا ہوں

مَیں سیر کرنے گیا تھا بغیرِ بال و پَر
مَیں سیر کر کے بنا بال و پر کے آ رہا ہوں

☆

جُوں طفلکِ نادان ہُمکنے تو لگے ہیں
شعلے کی طرف ہم بھی لپکنے تو لگے ہیں

باتوں کے تئیں ربط بھی آجائے گا اک دن
کچھ کچھ یونہی بے ربط سا بکنے تو لگے ہیں

کچھ تو نظر آنے کو ہے اے وہمِ حقیقت
پردے جو تھے آنکھوں پہ سرکنے تو لگے ہیں

کُھل جائے گی پوشیدہ حقیقت بھی کسی روز
ہر منظرِ مبہم پہ ٹھٹکنے تو لگے ہیں

نشّہ ابھی تازہ ہے ذرا وقت گزر جائے
ہو جائیں گے یکسو بھی بہکنے تو لگے ہیں

معلوم سے معلوم تلک کیجے سفر آپ
ہم اپنی جگہ خوش ہیں بھٹکنے تو لگے ہیں

تاویلِ خود آگاہی کو یہ بات ہے کافی
ہم اپنی نگاہوں میں کھٹکنے تو لگے ہیں

کہتی ہے بہ ہر لمحہ یہ انفاس کی تیزی
بجھنے کو ہیں جوں شمع بھڑکنے تو لگے ہیں

☆

یہی جنوں یہی جلوے کی جلوہ تابی ہے
کہ باریابی فقط اپنی بازیابی ہے

یہ کہہ رہے ہیں مگر تجھ سے تیرے غیب وحضور
نہ ہے حجاب کوئی اور نہ بے حجابی ہے

یہ تیری چشم کا کُھلنا ہے بند ہونا ہے
نہ ہے نقاب کوئی اور نہ بے نقابی ہے

جو غور کر ہے اُسی میں جواب پوشیدہ
تِرے جنوں کو جو در پیش لاجوابی ہے

نہیں ہے ہونے نہ ہونے کے درمیاں کچھ بھی
اگر ہے کچھ تری آنکھوں کی نیم خوابی ہے

☆

اے لاجواب یہ جو خدا کا سوال ہے
یہ عقل کا خلل ہے یہ جاں کا وبال ہے

معلوم کے جہاں کا نہ معلوم ہو خدا
یہ وہم ہے، یہ شک ہے، گماں ہے، خیال ہے

ہر شخص کو ہے ہونے کے اثبات کی تلاش
اِس جستجو میں ایک زمانہ نڈھال ہے

گر میں نہیں تو کون ہے میرا مثالیہ
کہتے ہیں یہ جہان جہانِ مثال ہے

اب بھی نہیں کُھلی تو حقیقت کُھلے گی کب
انسان خود جواب ہے خود ہی سوال ہے

میں خود ہی اپنے ہونے کی واحد دلیل ہوں
اِس کے سوا وجود کا ممکن محال ہے

یہ زندگی و موت کا اک شاخسانہ ہے
میرا کوئی عروج نہ کوئی زوال ہے

ہے کس کے انتظار میں اٹھ اے گرفتہ دل
تو خود ہی اپنے حال کا پُرسانِ حال ہے

☆

کیا کِیا جانے نہاں جانے عیاں کیا کِیا ہے
وہمِ امکاں، یہ تماشائے گماں کیا کِیا ہے

جانے مبہم ہے کہ مہمل یہ تری بات اے عقل
کون کھولے گا یہ نکتہ کہ بیاں کیا کِیا ہے

خوف و لالچ سے اٹھایا ہے تو کیوں میرا خمیر
دے کے اندیشگیِ سودو زیاں کیا کِیا ہے

در و دیوار بگولا نظر آتے ہیں مجھے
کر کے یہ خود کو مکیں مجھ کو مکاں کیا کِیا ہے

تو نے جز چاکِ گریباں کِیا کیا کارِ بہار
جز رفو یہ تو بتا کارِ خزاں کیا کِیا ہے

تو نے یہ رکھ کے مِرا وزن مِرے کاندھے پر
کِیا ہے مجھ کو سُبک یا کہ گراں، کیا کِیا ہے

وقت تو خیر ٹھہرتا بھی گزرتا بھی ہے
تُو نے ٹھہرایا ہے کیا تو نے رواں کیا کِیا ہے

کیا بتائے گا نویدؔ اُس کو یہ سوچا ہے کبھی
گر کوئی پُوچھنے آجائے کہ ہاں کیا کِیا ہے

☆

صُبح سے کچھ غرض نہ شام سے کام
میں تو رکھتا ہوں اپنے کام سے کام

چاہے سورج طلوع کر کہ غروب
مُجھ کو کب ہے تِرے نظام سے کام

مجھ کو کیا تو خدا ہے یا بندہ
مجھ کو تو ہے دعا سلام سے کام

خامشی کی عجیب حسرت ہے
نہیں چلتا مِرا کلام سے کام

پھرتے ہیں جستجو میں لمحے کی
آپ کو بھی ہے کچھ دوام سے کام

خاص ہو کر بھی کرنا پڑتے ہیں
روز کے کام اور عام سے کام

میری مرضی کی جب نہیں تعمیر
پھر مجھے کیوں ہو انہدام سے کام

جائے حیرت یہ ہے کہ دنیا کا
چل رہا ہے خدا کے نام سے کام

یا مَرے کوئی یا جیئے کوئی
اُن کو ہے صرف رام رام سے کام

☆

فقیر خاک سے جب اپنا سَر اٹھائے گا
کسے خبر ہے کہ اب کیا صدا لگائے گا

نہ دے گا وجہِ تماشا مجھے تماشا گر
وہ بس ہنسائے گا مجھ کو وہ بس رُلائے گا

تراش لے گا نیا اک خدائے نامعلوم
بشر کو خوفِ نہ معلوم جب ستائے گا

کوئی کہ جا کے اُڑائے گا خاک صحرا میں
کوئی کہ خاک سے اک آئنہ بنائے گا

کوئی تو پھوڑے گا دیوارِ شب سے اپنا سر
کوئی تو ہوگا کہ جو راستا بنائے گا

کوئی تو ہوگا سُنے گا جو خامشیِ وحی
کوئی تو ہوگا جو دیوار کو سُنائے گا

اب اور کتنے اٹھائے گا حشر اے مالک
بتا کہ حشر کا میدان کب سجائے گا

☆

نظر اٹھا نہ جھکا خود کو تشنہ کام نہ رکھ
نگاہِ ساقی سے کچھ رشتہ ہائے جام نہ رکھ

یہ میں نے کب کہا تو نانِ خشک کھا مِرے ساتھ
فقیہہِ شہر سے لیکن دعا سلام نہ رکھ

فقیر کی طرح انسان کو مخاطب کر
سخن کے بیچ کوئی فرقِ خاص و عام نہ رکھ

یہ چاہتا ہے اگر تو کہ کام زندہ رہے
پھر اپنے کام سے آگے تُو اپنا نام نہ رکھ

ہے درمیان کا قصہ تو درمیاں ہی کہہ
خدا کے واسطے آغاز و اختتام نہ رکھ

تراش گردشِ سیّارگاں سے اپنا نظام
نظامِ کہنہ پہ بنیادِ صبح و شام نہ رکھ

☆

پسِ مہرِ صبح دیکھو، پسِ ماہِ شام دیکھو
کہ گزر کے روز و شب سے، ذرا یہ نظام دیکھو

ہے خدا کہ تیغ کیا ہے، کہ وہ بے دریغ کیا ہے
ہے جو دیکھنا تو اُس کو، کبھی بے نیام دیکھو

کہیں شبہہ ہے بتوں کا، کہیں وہم ہے خدا کا
یہ خرد کے رنگ دیکھو، یہ جنوں کے کام دیکھو

یہاں شَے میں شَے نہیں ہے، یہاں ''ہے'' میں ''ہے'' نہیں ہے
یہاں کیا حلال دیکھو، یہاں کیا حرام دیکھو

ہے جو ڈر شکستگی کا، ہے جو خوف نارسی کا
تو یہ عشق وشق چھوڑو، کوئی اور کام دیکھو

رکھو بس نظر میں اپنی، نگہہ و نگاہِ ساقی
نہ کہ دیکھو سوئے مینا، نہ کہ سوئے جام دیکھو

ہوں خود آپ اپنا طالب، بہ حضورِ میرؔ و غالبؔ
میں اُنہی کا ہوں تسلسل، جو مِرا کلام دیکھو

☆

جائے مخدومیِ استاد بھی پڑجائے گی کم
کام وہ ہے کہ جیسے داد بھی پڑجائے گی کم

جب یہ سوچوگے مِرے علم کا پیمانہ ہے کیا
سندِ وسعتِ اسناد بھی پڑجائے گی کم

میں مُوّحد ہوں نہ مُلحد ہوں مجھے مت ڈھونڈ
ضد کو میری رہِ اضداد بھی پڑ جائے گی کم

وہ گرفتار ہوں اپنا مجھے کرنے کو اسیر
ساری عیّاریِ صیّاد بھی پڑجائے گی کم

تُو کچھ اِس طرح ہے اعصاب پہ میرے طاری
یاد کرنے کو تجھے یاد بھی پڑجائے گی کم

ہائے جب اُس نے مجھے مجھ میں گرفتار کیا
کس کو معلوم تھا فریاد بھی پڑجائے گی کم

کہنے بیٹھوں گا جو احوالِ دلِ خانہ خراب
حالتِ خانۂ برباد بھی پڑ جائے گی کم

ٹک تہہِ تیشہ سرِ کوہکن آنے تو دو
رنگ کو حسرتِ فرہاد بھی پڑ جائے گی کم

جب یہ انسان گُزر جائے گا حدّ ''لا'' سے
تیرے اعداد کی تعداد بھی پڑ جائے گی کم

سامنے آئے گی جس وقت حقیقت اُس وقت
غیب کی دی ہوئی امداد بھی پڑ جائے گی کم

ایک دن دیکھنا انسان وہاں پہنچے گا
وسعتِ عالمِ ایجاد بھی پڑ جائے گی کم

☆

گھِرا ہُوا تھا بَلا میں بَلا سے جان چُھٹی
خدا کا شکر کہ میری خدا سے جان چُھٹی

گڑا تھا دل میں جو کھٹکا نکل گیا دل سے
مِری کشاکشِ صبر آزما سے جان چُھٹی

خلا تھا مجھ میں جسے میں سمجھ رہا تھا خدا
میں خود میں بھر گیا میری خلا سے جان چُھٹی

مِرا سوال تھا میں ''کیا'' ہوں ''کیوں'' ہوں ''کون'' ہوں میں
مِلا جواب تو ''کیوں'' اور ''کیا'' سے جان چُھٹی

دکھائی جو نہیں دیتا تھا وہ دکھائی دیا
سُنی جو میں نے خموشی صدا سے جان چُھٹی

کُھلا جو مُجھ پہ تماشائے صاحب و بندہ
یہی ہُوا مِری درد و دوا سے جان چُھٹی

برہنہ ہو گیا میں اپنے سامنے خود ہی
ہے شکرِ دید عبا و قبا سے جان چُھٹی

میں باریاب ہُوا اور میں مُستجاب ہوا
کہ میں نے پالیا خود کو دُعا سے جان چُھٹی

☆

دُنیا کو کیا خبر کہ ہے کیا عاجزی کا مکر
کھولا گیا نہ عقل سے جب سادگی کا مکر

تم سوچ کیا رہے ہو یہ ہونے کے باب میں
بولو خدا ہے کیا جو نہیں ہے خودی کا مکر

ہے جاننا تو خیر تگ و تازِ آگہی
بولو نہ جاننا بھی ہے کیا آگہی کا مکر

ورنہ کوئی جواز ہے اِس کے وجود کا
یہ تیرگی ہے کیا جو نہیں روشنی کا مکر

پوشیدہ گر فنا میں ہے ہر اک بقا کا راز
یارب یہ زندگی بھی ہے کیا موت ہی کا مکر

میں نے بھی رکھ کے سادہ دِلی اُس کے سامنے
منہ پر اُسی کے مار دیا ہے اُسی کا مکر

☆

خُدا تو کیا بنے اپنے مقام سے بھی گئے
جو خاص بننے کو نکلے تھے عام سے بھی گئے

فرار چاہیے تھا جن کو ذات سے اپنی
مِلا تو کیا پرِ پرواز دام سے بھی گئے

وہ لوگ جن کو تھی اک گونہ بے خودی سے غرض
نگاہِ ساقی کے لبریز جام سے بھی گئے

جو صُبح و شام کو گردانتے تھے گردشِ وقت
وہ صبح سے بھی گئے اور وہ شام سے بھی گئے

جنہوں نے لمحے کو لمحہ سمجھ کے چھوڑ دیا
انہیں خبر ہی نہیں وہ دوام سے بھی گئے

جنہوں نے کام پہ ترجیح اپنے نام کو دی
وہ کام سے بھی گئے اور وہ نام سے بھی گئے

☆

کُو بہ کُو یعنی سراسیمہ پھرایا گیا ہُوں
ہرجگہ بیٹھنے سے پہلے اُٹھایا گیا ہُوں

میں کوئی عقل ہُوں جو میرا بنایا ہے مذاق
میں کوئی دل ہُوں جو اِس طرح دُکھایا گیا ہُوں

مجھ کو اِس واسطے ہے شام وسحر اپنی تلاش
اک خدا کی طرح میں خود میں چُھپایا گیا ہُوں

کیا کہوں ہے یہ تِری نیم نگاہی کافسوں
مَیں چُھپایا گیا ہُوں اور نہ دِکھایا گیا ہُوں

تا نہ سوچوں کہ یہ دُنیا کا تماشا کیا ہے
مَیں رُلایا گیا ہُوں اور مَیں ہنسایا گیا ہُوں

اے خُدا کیا ہے یہ جنت سے زمیں تک کا سفر
مَیں اُجاڑا گیا ہُوں یا کہ بسایا گیا ہوں

خود ہی آ گاہی ہُوں مَیں خود ہی ہُوں اپنی غفلت
مَیں نہ لکھا گیا ہُوں اور نہ مٹایا گیا ہُوں

کتنے ٹکڑوں میں ہُوں یہ تم کو بتاؤں کیسے
مَیں جو اِس طرح سے ترتیب میں لایا گیا ہُوں

کون سا ساز ہُوں مَیں کون سا نغمہ ہُوں مَیں
کہ نہ چھیڑا گیا ہُوں اور نہ سُنایا گیا ہُوں

مَوت آئے تو کُھلے خوابِ حقیقت کا فسوں
مَیں جگایا گیا ہُوں یا مَیں سُلایا گیا ہُوں

تم کو حیرت ہے کہ گزرا ہوں بقا سے کیسے
زہر کی طرح سے مَیں خود کو پلایا گیا ہُوں

☆

کسی مجنوں کا خواب ہوگئی ہے
ہر حقیقت سراب ہو گئی ہے

مَوت نے کردیا ہے ایک سوال
زندگی لاجواب ہو گئی ہے

جسم کو جسم سے گزار آئی
روح اب بارِیاب ہو گئی ہے

اِس قدر تیز روشنی، توبہ
بے حجابی حجاب ہو گئی ہے

گزر آئی ہے بے خودی سے خودی
آپ سے وہ جناب ہو گئی ہے

خود کو جب سے کیا خدا کے سپرد
اور حالت خراب ہو گئی ہے

جو خرافات تھی زمانے کی
شاملِ ہر نصاب ہو گئی ہے

☆

اے زندگی میں تیری تمنا کروں تو کیوں
دُنیا سے جینے مرنے کا جھگڑا کروں تو کیوں

جب خامشی جواب ہو ہر اک سوال کا
کوئی نیا سوال میں پیدا کروں تو کیوں

جب زخم ہی ہے زخم کا مرہم تو اے مسیحؑ
تم ہی کہو کہ زخم کو اچھا کروں تو کیوں

جب زندگی سے مجھ کو وفا کی نہیں اُمید
ملنے کا پھر کسی سے میں وعدہ کروں تو کیوں

جب مصلحت سے میرا نہیں ہے کوئی گزر
دُنیا کو دین، دین کو دنیا کروں تو کیوں

رکھ اپنے پاس اپنا خدا ہونا اے خدا
میں خود کو چھوڑ کر ترا پیچھا کروں تو کیوں

قطرے کو کیوں کروں نہ گُہر دے کے آب و تاب
او بے خبر میں قطرے کو دریا کروں تو کیوں

بدلے گا اپنی ''تُو'' سے مِری ''میں'' کو یہ بتا
میں اپنی ''میں'' سے ''تُو'' کا جو سودا کروں تو کیوں

قدموں میں اپنے کیوں نہ ِگروں جب ہے مجھ میں تو
یعنی کسی خلا کو میں سجدہ کروں تو کیوں

اے حُسن جانتا ہے اگر تو جو دل میں ہے
میں خود کو تیرے آگے برہنہ کروں تو کیوں

☆

قطرے سے گزر جائیں گے دریا سے ملیں گے
یوسفؑ ہیں اگر ہم تو زلیخا سے ملیں گے

دیکھیں گے کسی روز تصوّر کو مشکّل
امکان ہے ہم اپنی تمنا سے ملیں گے

وہ سامنے جب آئے گا تصویر کی صورت
تب ''کیوں'' سے ملیں گے تبھی ہم ''کیا'' سے ملیں گے

ہوجائے گی خود آپ ہی قبلے کی طرف سمت
جس وقت کہ ہم صاحبِ قبلہ سے ملیں گے

دیں گے نہ مسیحا کو مسیحائی کی تکلیف
بھر جائیں گے جب زخم مسیحا سے ملیں گے

☆

ورائے عقل جو تھا سوچنا پڑا مجھ کو
کہ اپنی جان سے مہنگا خدا پڑا مجھ کو

کہوں تو کس سے کہ یہ دیدہ ور نہ سمجھیں گے
جو دیکھا جاتا نہ تھا دیکھنا پڑا مجھ کو

جو "کیوں" میں "کیوں" ہے اُسی کی تلاش کرنا پڑی
جو "کیا" میں "کیا" ہے وہی ڈھونڈنا پڑا مجھ کو

خدایا کیا میں دیا تھا کسی سرائے کا
مسلسل ایک ہی لَو جاگنا پڑا مجھ کو

کسی نے بھی نہ بتایا پتا خدا کا مجھے
خود اپنے آپ سے ہی پوچھنا پڑا مجھ کو

سوائے وہم حقیقت نہیں حقیقت کی
یہ جاننا پڑا اور ماننا پڑا مجھ کو

میں تیری سمت بڑھا ہُوں تری محبت میں
نہ جان تُو بھی اب اِتنا گِرا پڑا مجھ کو

☆

کیا یونہی خامشی میں صدا ڈھونڈتا رہوں
خود سے نہیں مِلوں مَیں خدا ڈھونڈتا رہوں

یعنی میں زندگی نہ کروں زندگی کے بیچ
اِس زندگی میں کیا ہے چھپا ڈھونڈتا رہوں

کیا ''کیوں'' کا ''کیوں'' تلاش کروں ساری زندگی
کیا ساری عُمر ''کیا'' میں ہے ''کیا'' ڈھونڈتا رہوں

یہ درد کیوں دیا ہے مجھے تو نے اے خدا
کیا اِس لیے دیا ہے دوا ڈھونڈتا رہوں

میں سوچتا ہوں دل کا لگانا ہے کیا ضرور
کب تک میں زندگی میں مزا ڈھونڈتا رہوں

کُھلتا نہیں یہ راز کہ کیوں دی گئی ہے عقل
یعنی ''نہیں'' میں ''ہے'' کا پتا ڈھونڈتا رہوں

کیا امتحانِ عقل ہے جب تک نہ موت آئے
کھویا ہُوا سِرے کا سرا ڈھونڈتا رہوں

اک تو مِرے خیال پہ چھایا رہے ہر آن
اک میں کہ وجہِ بندِ قبا ڈھونڈتا رہوں

☆

نہ خاص سنتے ہیں مجھ کو نہ عام سنتے ہیں
جو اہلِ دل ہیں وہ میرا کلام سنتے ہیں

جو ہیں کلامِ فصیح و بلیغ کے عاشق
مِرا کلام بصد احترام سنتے ہیں

اگر ہو صبح تو کرتے ہیں شعر کی قرأت
اگر ہو شام پسِ لحنِ شام سنتے ہیں

مِرے کلام کی محفل سجائی جاتی ہے
جو مست ہیں وہ پسِ دَورِ جام سنتے ہیں

ہیں میرے سارے طرفدار شعر کے عاشق
وہ کام دیکھتے ہیں، کب وہ نام سنتے ہیں

جو ہر طرح سے ہے شعری لوازمات سے پُر
یہی ہے شعر، ہے جس کو دوام سنتے ہیں

☆

مجھ کو سیدھا جو چلاتی راستی ایسی نہ تھی
دائرہ دَر دائرہ تھی زندگی ایسی نہ تھی

خود تراشے جو خدا اپنے رکوع و سجدہ سے
تھے بہت بندے کسی کی بندگی ایسی نہ تھی

عشق کو اپنے بنالے خود جو پیکر حُسن کا
تھے بہت عاشق کسی کی عاشقی ایسی نہ تھی

کون تھا جو دل سے لے جاتا فُسردہ خاطری
غم کوئی ایسا نہ تھا کوئی خوشی ایسی نہ تھی

اوّل و آخر میں جس کے کوئی بھی نشّہ نہ ہو
اک خودی ایسی نہ تھی اک بےخودی ایسی نہ تھی

جس کو پڑھ کر شاعری میں ترک کر دیتا نویدؔ
ساری دنیا میں کسی کی شاعری ایسی نہ تھی

☆

آخرش کُن کے جہاں سے میں گزر آیا ہوں
اِس کہیں اور کہاں سے میں گزر آیا ہوں

اب کوئی حال پریشاں نہ کرے گا مجھ کو
اے یقیں تیرے گماں سے میں گزر آیا ہوں

کھل گئے یعنی و لا یعنی کے معنی مجھ پر
حلقۂ دیدہ وراں سے میں گزر آیا ہوں

اب نہ دنیا ہے نہ دیں ہے کوئی لالچ ہے نہ خوف
یعنی ہر سود و زیاں سے میں گزر آیا ہوں

آخرش مل ہی گئی میری حقیقت مجھ کو
اس زماں اور مکاں سے میں گزر آیا ہوں

لے رہا ہوں مزے اِس سرمدی خاموشی کے
عالمِ شرح و بیاں سے میں گزر آیا ہوں

☆

گو خواب کے جلوے پہ ہے تعبیر کا پردہ
عریانی کو لازم نہیں تصویر کا پردہ

خاموشی کی صورت کو چھپا ہی نہیں سکتا
تقریر کا پردہ ہو کہ تحریر کا پردہ

یعنی متشابہہ پہ ہی موقوف نہیں ہے
محکم پہ بھی ڈالا گیا تفسیر کا پردہ

یہ تاب مگر کس میں ہے آئے تہہِ شمشیر
منّت ہے گلو کے لیے شمشیر کا پردہ

مشکل ہے کہ پہنچے کوئی اُس درد کی تہہ کو
جس درد پہ ہے نالۂ شبگیر کا پردہ

☆

میں اپنا آپ شدّ و مَد سے منوانے نہیں آیا
سمجھنے آیا ہُوں دُنیا کو ، سمجھانے نہیں آیا

مُجھے پہنچانا ہے سب کو سوالوں سے سوالوں تک
جوابوں سے میں کم عقلوں کو بہلانے نہیں آیا

تمھیں بس زندگی کے باب میں سنجیدہ کرنا ہے
میں گنجلک زندگی کو اور اُلجھانے نہیں آیا

برائے منزلِ گُم گشتہ بھٹکانے کو آیا ہوں
کسی کو بھی میں راہِ راست پر لانے نہیں آیا

یہاں لایا ہے مجھ کو کھینچ کر اسرارِ مے خانہ
فقط پینے پلانے کو میں مَے خانے نہیں آیا

مجھے نقطے کو نقطہ ہی بیاں کرنا ہے مِنّ و عن
کسی بھی شکل میں نقطے کو پھیلانے نہیں آیا

☆

علم نقطہ تھا جسے سمجھا نہ سمجھایا گیا
خامۂ جہل سے بس نقطے کو پھیلایا گیا

اتنا پھیلایا کہ جب ہو گیا نقطہ معدوم
فکر و دانش کا کرشمہ اُسے ٹھہرایا گیا

کی گئیں نوعِ بشر پر سبھی راہیں مسدود
ایک رستے پہ لگا کر اُسے بہکایا گیا

تاکہ خود اُس کی ہی تنہائی نہ کھا جائے اُسے
عقل اور عشق سے انسان کو بہلایا گیا

کس سے دریافت کروں بوالہوسی خود ہے سوال
کس لیے پیرہن عُریانی کو پہنایا گیا

☆

یہ دنیا خاک اُڑانے کی جگہ ہے
خوشی سے غم منانے کی جگہ ہے

خدایا کس لیے لگتا نہیں دل
اگر یہ دل لگانے کی جگہ ہے

جگہ ہے پیاس پینے کی یہ دُنیا
یہ دُنیا بھوک کھانے کی جگہ ہے

یہاں آنسو بہانے کی نہیں ہے
یہ دُنیا مسکرانے کی جگہ ہے

نہیں نوحہ سنانے کی ضرورت
یہ نغمہ گنگنانے کی جگہ ہے

یہاں رہ کر سمجھنا سوچنا کیا
یہ بس ٹھٹا لگانے کی جگہ ہے

☆

انساں کا اپنے آپ کو پانا ہے انقلاب
اب وقت ہے کہ فرد میں آنا ہے انقلاب

اب اپنے کان پھیر کے باہر کے شور سے
اندر کی خامشی کو بنانا ہے انقلاب

کام آئیں گے حضور سیاست نہ مذاہب
ہر کہنہ نقشِ دہر مٹانا ہے انقلاب

ماضی نے ہے سلایا جگانے کے نام پر
اب جاگنا ہے حال میں لانا ہے انقلاب

انساں کو اجتماع نے بہکا لیا بہت
اب فردیت کی لَو کو بڑھانا ہے انقلاب

نعروں سے بھر گیا ہے اندھیرا جہان میں
فرد آگہی کی شمع جلانا ہے انقلاب

انساں زمیں پہ بھول گیا ہے جو اپنی اصل
وہ اصل اُس کو یاد دلانا ہے انقلاب

آواز دے رہا ہے یہ سازِ الوہیّت
انسانیت کو قبلہ بنانا ہے انقلاب

یعنی یہی کہ غیب سے سر پھوڑنا ہے کفر
انساں کو سجدہ گاہ بنانا ہے انقلاب

فرسودہ ہو چکے ہیں سبھی خواب ہائے چرخ
اب فرش کو ہی عرش بنانا ہے انقلاب

جنت کو جو زمیں سے دکھائے علاحدہ
اُس خواب سے ہی جان چھڑانا ہے انقلاب

انساں سے مجھ کو بس یہی کہنا ہے اے نویدؔ
اب کوئی بھی فریب نہ کھانا ہے انقلاب

☆

ایسی عُریانی ہے تصویر میں آ سکتی نہیں
زندگی وہ ہے کہ معنی میں سما سکتی نہیں

تجھ پہ کُھل جائے گی بس حیرتِ لاعلمیِ عِلم
اِس سے آگے تو تجھے عقل پڑھا سکتی نہیں

تیری دانائی کا محور ہیں اگر صفر و الف
''لا'' سے آگے تو بصیرت تری جا سکتی نہیں

میں نہیں سمجھا تجھے کیوں ہے حقیقت کی طلب
وہم سے آگے تری عقل تو جا سکتی نہیں

مجھ کو چپ لگ گئی جب سے یہ کُھلا ہے مجھ پر
بات تو وہ ہے کہ جو بات میں آ سکتی نہیں

یہاں سکتا ہے بلاغت کو فصاحت عاجز
ہے زباں گنگ کہ خاموشی سُنا سکتی نہیں

☆

اِس تماشے کا تماشا کیوں ہُوا
آخرش بننا بگڑنا کیوں ہُوا

ہو گیا پیدا نہیں یہ مسئلہ
مسئلہ یہ ہے کہ پیدا کیوں ہُوا

کیوں بہا ہابیل کا خوں کیوں بہا
کیوں ہُوا آخر یہ جھگڑا کیوں ہُوا

ایک ہی نطفہ تھا دونوں کا اگر
اک بُرا اور ایک اچھا کیوں ہُوا

ایک ہی تھی اگر سب کی دلیل
کوئی اندھا کوئی بہرا کیوں ہُوا

کیسے دو ٹکڑے ہوئے اک امر کے
اے خدا یہ تیرا میرا کیوں ہُوا

☆

پہنچو گے غیب میں جب اپنے حضور ہو گے
ہو گے خود اپنا جلوہ خود اپنا طُور ہو گے

قرآن ہو گے خود ہی انجیل ہو گے خود ہی
تورات ہو گے خود ہی ، خود ہی زُبور ہو گے

دیکھو اُتر کے خود میں دیکھو گُزر کے خود سے
خود اپنے پاس ہو گے، ہو گے ضرور ہو گے

اپنے ہی آئنے میں دیکھو گے خود کو جس دم
خود اپنا عجز ہو گے خود ہی غرور ہو گے

آپ اپنی زندگی ہو آپ اپنی مَوت ہو تُم
خود اپنا شور ہو گے خود ہی نشور ہو گے

تم ہو خود اپنا باطن ، تم ہو خود اپنا ظاہر
جب بھی ظہور ہو گے خود ہی ظہور ہو گے

تم خود ہو اپنا پردہ اٹھا کے دیکھو
تُم خود ہی خاک ہوگے تُم خود ہی نور ہوگے

ہوگے نہ تم مذکّر ہوگے نہ تم مونّث
یعنی نہ ہوگے غلماں یعنی نہ حور ہوگے

دیوانگی سے جس دم جوڑو گے ہوش مندی
تب جا کے مست ہوگے تب باشعور ہوگے

☆

خود اپنی آنکھ سے اپنا تماشا دیکھنا ہوگا
تری حسرت میں مُجھ کو جانے کیا کیا دیکھنا ہوگا

یقیناً ہنسے رونے میں ہیں آ گاہی بھی غفلت بھی
کہ کچھ دیکھو نہ دیکھو جینا مرنا دیکھنا ہوگا

جہانِ آب و گل ہے یا کوئی تجرید کا عالم
یہ اُلٹا دیکھنا ہوگا کہ سیدھا دیکھنا ہوگا

یہ آنکھیں کس لیے دی ہیں مگر کُھلتا نہیں مجھ پر
اِن آنکھوں سے مجھے کب تک یہ پردہ دیکھنا ہوگا

نظر آئے گی کیا مجھ کو حقیقت بھی کبھی اے وہم
مری قسمت میں کیا پردے کا اُٹھنا دیکھنا ہوگا

نہیں کیا دوسری صورت کوئی دُنیا میں رہنے کی
ہو زندہ دیکھنا تو خود کو مُردہ دیکھنا ہوگا

☆

تر و تازہ گُلاب کی صورت
نظر آئی جناب کی صورت

تُو مِرے دل میں ہو رہا ہے طلوع
صُبح کے آفتاب کی صورت

تُو حقیقت میں سامنے ہے مِرے
اور کیا ہوگی خواب کی صورت

میرا چہرہ سوال کا چہرہ
تیری صورت جواب کی صورت

تیرے چہرے کو یعنی صبح و مَسَا
پڑھ رہا ہُوں کتاب کی صورت

دل سنبھلتا نہیں سنبھالے سے
ہے عجب اضطراب کی صورت

☆

رُخ سے تیرے نظر ہٹا نہ سکا
محویّت سے میں باز آ نہ سکا

آخرش بن گیا میں خود ہی سوال
جب میں تیرا جواب لا نہ سکا

آخرش میری چشم مِنت سے
خود کو تو بھی کہیں چُھپا نہ سکا

آخرش تیرا جلوۂ بیباک
میری نظروں کی تاب لا نہ سکا

آخرش تیری چشم کا پردہ
خواہشِ وصل کو چُھپا نہ سکا

آخرش تُو سما گیا مجھ میں
مجھ میں جب کوئی بھی سما نہ سکا

☆

اک تُو کہ تُو اصنام گرانے میں ہُوا صرف
اک میں کہ میں اصنام بنانے میں ہُوا صرف

اک تُو ہے کہ تُو کتنے جتن سے ہُوا ظاہر
اک میں ہُوں کہ مَیں خود کو چھپانے میں ہُوا صرف

اک تُو ہے کہ تُو دہر بنانے میں رہا غرق
اک میں ہوں کہ میں خاک اُڑانے میں ہُوا صرف

اک تُو ہے کہ تُو زہر کو کرتا رہا تریاق
اک میں ہُوں کہ میں جان سے جانے میں ہُوا صرف

اک تُو ہے کہ تُو محو ہے آئینے میں ہر دم
اک مَیں ہُو کہ میں آپ میں آنے میں ہُوا صرف

☆

وہ کون ہے کہ جو ''ہے'' بھی نہیں جو ''تھا'' بھی نہیں
کہ جو ہُوا بھی نہیں اور جو بنا بھی نہیں

اُسی کے دَم سے ہُوا تیرا بت کدہ آباد
وہ ایک بُت جو تیرے بُت کدے میں تھا بھی نہیں

ابھی سے کیوں تِرا دل آ گیا ہے آنکھوں میں
ابھی تو میری خموشی نے کچھ کہا بھی نہیں

عجب سفر تھا ''نہیں'' سے ''نہیں'' تلک میرا
کہ میں چلا بھی نہیں اور میں رُکا بھی نہیں

نہ جانے کیسے میں گزرا ہوں نور و ظلمت سے
کہ میں جلا بھی نہیں اور میں بُجھا بھی نہیں

اُسی نے دل کو مرے کر دیا ہے آئینہ
وہ ایک حُسن جو مرہونِ آئینہ بھی نہیں

☆

دیکھو فقط انسان ہُوں میں اے مِرے بھائی
ہندو نہ مسلماں نہ یہودی نہ عیسائی

میں ہی ہُوں تہہِ خاک بھی بالائے فلک بھی
مَیں کیا نہیں مجھ تک ہے اگر میری رسائی

یا عشق ہے یا حُسن ہے یا عقل ہے یا عدل
کیا پوچھتے ہو مجھ سے ہے کیا میری کمائی

انسان کی قیمت میں خریدا ہے خدا کو
یہ قیمتِ جلوہ نہ گھٹائی نہ بڑھائی

کب اپنے خدا ہونے کو پہچانے گا انسان
میری یہی فریاد یہی میری دہائی

دیکھے تو کوئی خواب کے عالم سے نکل کر
دنیا سے الگ میں نے جو دنیا ہے بسائی

☆

کوئی دلیل مگر ہوتی کس طرح آسان
جو ہوتے اندھے نہ ہم رکھتے دید پر ایمان

کہاں سے ہوش میں آتے جھنجھوڑتا جو نہ شور
خموشی کس طرح سنتے اگر نہ ہوتے یہ کان

خیال و مستی و ہوش و جنون و عشق و خرد
اگر نہ ہوتے یہ گاہک تو کھلتی کیسے دُکان

اگر نہ ہوتے سپید و سیہ کے بیچ میں ہم
سمجھ میں آتے بھلا کیسے لامکان و مکان

جو مَیں نے ڈھونڈا تو انساں میں آ گیا وہ نظر
جو فلسفی تھے وہ کہتے رہے اُسے امکان

شعور پاتے رہے وہ کہ جن کے پاس تھی عقل
جو بے شعور تھے کہتے رہے اِسے ہذیان

☆

صد شکر ہم کو صدقۂ اہلِ نظر دیا
تُو نے ہمارے دل کو محبت سے بھر دیا

یہ رازِ حُسن و عشق ہے کیونکر کُھلے یہ راز
تُو نے یہ سَر اُتارا کہ مَیں نے یہ سر دیا

مت پوچھ چشمِ یار کی جادو نگاہیاں
باہوش کر دیا کہ یہ بے ہوش کر دیا

ڈھانپی اُسی لباس نے میری برہنگی
اُس نے جو اک لباس مجھے خوں میں تر دیا

شاید خدا نے دیکھ لیا اضطرابِ شوق
منزل مجھے نہ دی مجھے اُس نے سفر دیا

جاں داوۂ غبار تھا میں اِس لیے نوید
اُس نے مجھے قیامِ سرِ رہگزر دیا

☆

ملی کسی کو حقیقت کسی کو خواب مِلا
تجھے کتاب مجھے صاحبِ کتاب مِلا

یہ کون جانے کہ دونوں میں خوش نصیب ہے کون
تجھے سکون مِلا مجھ کو اضطراب مِلا

کسے خبر ہے کہ اُس در پہ مستجاب ہے کون
مجھے سوال مِلا اور تجھے جواب مِلا

کُھلا نہیں ہے یہ دونوں پہ اُس سے مِل کر بھی
وہ باحجاب مِلا ہے کہ بے حجاب مِلا

نقاب اُتار کے آیا تھا وہ جہاں پئے وصل
جو غیر پہنچا تو اُس کو فقط نقاب مِلا

پسِ گنہ حدِ ممنوع توڑ کر مجھ کو
کسے خبر مجھے کتنا بڑا ثواب مِلا

☆

کیوں کروں قائل کہ کیوں آوارگی کرتا ہوں میں
جو مِرے دل میں سماتی ہے وہی کرتا ہوں میں

جان لوگے جب کبھی اٹکے گا کانٹا حلق میں
پُوچھتے کیا ہو کہ کیسے زندگی کرتا ہوں میں

ویسے تو دل میں مِرے رہتا ہے اک سنّاہٹا
غم کوئی ملتا ہے تو اُس کی خوشی کرتا ہوں میں

عشق کرنے کی مگر فرصت ہی فُرصت ہے مجھے
کام آجائے تو کہتا ہُوں ابھی کرتا ہُوں میں

کچھ نہیں کرتا مگر میں کچھ نہیں کرتا مگر
محنتِ کارِ جنوں میں کب کمی کرتا ہُوں میں

کون ہے تُم میں ولی پہنچے جو اِس پرواز کو
کافری کرتا ہوں میں یا بندگی کرتا ہوُں میں

یعنی جو بھی ہے شہود اُس کو میں کرتا ہوں وجود
جبکہ دُنیا کی نظر میں بُت گری کرتا ہوں میں

پردۂ ہستی اٹھا کر کھولتا ہوں رازِ غیب
جبکہ کہتی ہے یہ دُنیا شاعری کرتا ہوں میں

جانے کیا حسرت ہے پیتا ہوں اُسی دن بے حساب
ترک کرنے کا ارادہ جب کبھی کرتا ہُوں میں

کرتا ہُوں سیراب سب کو اُس پیالے سے نویدؔ
جس پیالے سے کشید اک تشنگی کرتا ہُوں میں

☆

کیوں نہ مَرے یہ بزدلی نیکی کی چاہ کے لئے
جرأت تو تجھ میں ہے نہیں کارِ گناہ کے لیے

جانے یہ کچھ دکھانا ہے جانے یہ کچھ چھپانا ہے
اتنا ہجومِ مہہ و شاں ایک نگاہ کے لیے

ایک سفر پسِ سفر ایک خبر پسِ خبر
ایک جہاں پسِ جہاں دل کی نگاہ کے لیے

عشق کو اِس زمان میں عشق کو اِس مکان میں
تھوڑا سا مکر چاہیے حُسن کی چاہ کے لیے

میری یہ گردشِ مُدام گِرد ہے تیرے بے قیام
میرے لیے تِرا وجود مہر ہے ماہ کے لیے

اتنا نہ سر سری گُزر میرے کہے پہ غور کر
مَیں ہُوں نہ آہ کے لیے میں ہُوں نہ واہ کے لیے

☆

کرو ختم جھگڑا، نشہ اپنا اپنا
خودی اپنی اپنی، خدا اپنا اپنا

سوال اپنے اپنے، جواب اپنے اپنے
یہ 'کیوں' اپنا اپنا، یہ 'کیا' اپنا اپنا

سنو 'مَیں' سے 'تو' تک، سنو 'تُو' سے 'مَیں' تک
ہے سب کے لیے، آئینہ اپنا اپنا

یہ مستی کا سجدہ، اَلستی کا سجدہ
قضا اپنا اپنا، ادا اپنا اپنا

پلٹنا ہے سب کو احد ہی کی جانب
مکمل کرو، دائرہ اپنا اپنا

ثبوت اپنے ہونے کا، دینا ہے سب کو
جلانا ہے سب کو، دِیا اپنا اپنا

☆

کیوں تجھ کو تماشا نظر آتی ہے دنیا
کچھ غور تو کر کیا نظر آتی ہے یہ دنیا

سقراط کو ملتی ہے دلیل اِس کی خبر میں
یوسفؑ کو زلیخا نظر آتی ہے یہ دنیا

نظّارہ کرو چشمِ اناالحق سے گر اِس کا
ہر قطرے میں دریا نظر آتی ہے یہ دُنیا

ہے واسطے پُر فہم کے آئینۂ خودبیں
کج فہم کو پردہ نظر آتی ہے یہ دُنیا

یعنی یہ زمیں در زمیں افلاک در افلاک
دُنیا پسِ دنیا نظر آتی ہے یہ دُنیا

جُز قیدِ قفس کچھ نہیں ، ہو آنکھ اگر بند
وا چشم ہو تو وا نظر آتی ہے یہ دنیا

تم اس کی حقیقت نگہہِ وہم سے دیکھو
ہر سمت ہی برپا نظر آتی ہے یہ دنیا

لاسکتی نہیں حد میں اِسے عقل کی وُسعت
ذرّے میں جو یکجا نظر آتی ہے یہ دُنیا

جو دیر و حرم سے گزر آتا ہے پھر اُس کو
کعبہ نہ کلیسا نظر آتی ہے یہ دنیا

تم ''ہے'' کا ''نہیں'' ڈھونڈنے نکلو تو یہ جانو
ہونے میں نہ ہونا نظر آتی ہے یہ دُنیا

☆

بات جو دل میں آئی تھی کر دی
آپ سمجھے کہ شاعری کر دی

کہہ کے وہ بھی مُکر گیا آخر
سُن کے ہم نے بھی اَن سُنی کر دی

رات اک گفتگو کی محفل میں
رہ کے چپ ہم نے خامشی کر دی

اور تو خیر کیا ہُوا ہم سے
ہاں مگر ہم نے زندگی کر دی

اُس نے نزدیک سے دِکھا کے جھلک
دُور تک دل میں روشنی کر دی

اُس نے کوئی سِرا دیا نہ مجھے
بات کرنے کو بات بھی کر دی

☆

عقل سے پہلے مگر دل ہے تمھیں کیا معلوم
ایک مُشکل پَسِ مُشکل ہے تمھیں کیا معلوم

ایک جلوہ پَسِ ہر جلوہ ہے جلوہ آرا
ایک محمل پَسِ محمل ہے تمھیں کیا معلوم

ایک خنجر ہے حقیقت میں پَسِ ہر خنجر
ایک بسمل پَسِ بسمل ہے تمھیں کیا معلوم

موج دَر موج ہے دریا پَسِ دریا یعنی
ایک ساحل پَسِ ساحل ہے تمھیں کیا معلوم

بس یہی ایک تسلسل ہے سفر بعدِ سفر
ایک منزل پَسِ منزل ہے تمھیں کیا معلوم

ایک تنہائی ہے تنہائی پَسِ تنہائی
ایک محفل پَسِ محفل ہے تمھیں کیا معلوم

☆

خَلوت میں اپنی جَلوتِ دنیا کو دیکھ لے
ماضی کی تہہ میں ڈوب کے فردا کو دیکھ لے

جب تک نہ خود کو دیکھے گا غافل رہے گا تُو
کعبے کو دیکھ لے کہ کلیسا کو دیکھ لے

آئے تو کیسے اُس کو خدا پر یقین آئے
جب تک نہ قیس صورتِ لیلیٰ کو دیکھ لے

کس طرح دل پہ حُسن کی جلوہ گری کُھلے
یوسفؑ میں جب تک نہ زلیخا کو دیکھ لے

کیسے کُھلے گی کل کی حقیقت خیال پر
قطرے میں جب تلک نہ وہ دریا کو دیکھ لے

مُشکل یہ ہے کہ درد تو آتا نہیں نظر
تُو اپنے زخم میں ہی مسیحا کو دیکھ لے

☆

اگر کہوں کہ کہوں میں مگر یقین نہیں
یقین کر کہ کسی بات پر یقین نہیں

کُھلے گا بس اِسی صورت سے ہی یقین کا در
گماں سے دیکھ گُزر کر اگر یقین نہیں

کُھلا یہ ہم پہ جو ہم پر نہیں کھلا وہ در
وہ دَر ہے وہمِ حقیقت وہ در یقین نہیں

جو ہو تو کیسے بھلا عقل و دل کی یکجائی
اِدھر گُمان نہیں ہے اُدھر یقین نہیں

مرے لیے تو خود ان کا یقیں سوالیہ ہے
جنہیں خدا پہ ہے خود پر مگر یقین نہیں

نویدؔ سوچتا ہوں وہ یقیں بھی کیا ہے یقیں
جو بعد ھُو ہے یقیں پیشتر یقین نہیں

☆

ہر حقیقت کو پسِ ساغرِ جم لکھتا رہا
وہ جو لکھنا تھا وہی میرا قلم لکھتا رہا

اے حقیقت مِرے آگے تھا زمانے کا شعور
بے نشانی کو جو میں اپنا علَم لکھتا رہا

اُس کے کُھولے سے کُھلے گا نہ مِرا اگلا قدم
دشتِ امکاں کو جو بس ایک قدم لکھتا رہا

ماء و تُو سے گزر آؤ تو کُھلے وہ تم پر
''مَیں'' میں ''تُو'' کرکے بہم خود کو جو ''ہم'' لکھتا رہا

جانے یہ اُس کی ادا تھی کہ محبت میری
کیوں تغافل کے ستم کو مَیں کرم لکھتا رہا

کفر و ایماں سے سلامت جو گزر آیا نویدؔ
دَیر کو جہل تو غفلت کو حرم لکھتا رہا

☆

وہ کون رشتہ تھا آقا غلام سے پہلے
وہ کون، کون تھا معنی و نام سے پہلے

بنا یا نشّے نے ساقی کو ساقی رند کو رند
یہ تفرقہ نہ تھا مینا و جام سے پہلے

کسی بھی مست کو آبِ بقا کی فکر نہ تھی
مزے سے جیتے تھے خوابِ دوام سے پہلے

کوئی نظام تو فطرت میں ہوگا پوشیدہ
ترے دیے ہوئے فاضل نظام سے پہلے

یہی کلام کی موجد ہے اوّل و آخر
جو نطق میں ہے خموشی کلام سے پہلے

جو آتے آتے یہاں تک بدل گئی آخر
وہ بات کیا تھی جو تھی خاص و عام سے پہلے

☆

تم جاؤ اپنا کام کرو
دُنیا میں اُونچا نام کرو

گر نام کمانا ہے تم کو
جاؤ مجھ کو بدنام کرو

گر اپنا ننگ چُھپانا ہے
جو پہنو وہ احرام کرو

ہر آہ کو تھام کے سینے میں
خاموشی کو کہرام کرو

ہر لوحِ قلب ہے آمادہ
تم اپنا شعر الہام کرو

جب دل نہ لگے معمورے میں
کیا صبح کرو کیا شام کرو

☆

میرا دل تو خیر دُکھایا جاسکتا ہے
ہُنہ کہہ کر کیا وقت کو ٹالا جاسکتا ہے

جس کے سفر کی کوئی بظاہر سمت نہ ہو
اس کے پیچھے پیچھے جایا جاسکتا ہے

دیکھیں عقل کو عقل کہاں لے جاتی ہے
دیکھیں کہاں تک دھوکا کھایا جاسکتا ہے

خود کو ڈھونڈ کے لاؤ گے تب ہم جانیں گے
سب کہتے ہیں خدا کو ڈھونڈا جاسکتا ہے

گو میں کسی دانائی کے زمرے میں نہیں
ہو جو سلجھنا مجھ سے الجھا جاسکتا ہے

سچ تو یہ ہے گر ھو کی ھویّت پانا ہے
خامشی کو استاد بنایا جاسکتا ہے

☆

نہ یوں کُڑھا کرو نوید
مزے کِیا کرو نوید

ہے چار دن کی زندگی
سو خوش رہا کرو نوید

مِلو تو خاص و عام کو
دُعا دیا کرو نوید

ملے تمہیں بھی دردِ دل
کوئی دوا کرو نوید

بغیر کچھ کہے سنے
کہا سنا کرو نوید

آپ میں اپنے آپ سے
گُھلا مِلا کرو نوید

☆

کون ہے، کس واسطے ہے، کیا ہے میر احمد نوید
خود کو سُلجھانے میں ہی اُلجھا ہے میر احمد نوید

اپنا سَر تھامے ہوئے بیٹھے ہیں کیوں اہلِ خرد
اِس طرف سے ہو کے کیا گُزرا ہے میر احمد نوید

اُس کے اندر بھی کبھی دیکھا کسی نے جھانک کر
وہ نہیں ہے جو نظر آتا ہے میر احمد نوید

میری گر مانو تو لوگوں کے کہے میں آؤ مت
مِل کے تو دیکھو عجب دُنیا ہے میر احمد نوید

ہاتھ رکھ کر اپنے دل پر اپنے دل سے پُوچھ لو
کیا ہر اک سے پُوچھتے ہو کیا ہے میر احمد نوید

تُم نے کیا جانا اگر جانا اُسے مَرنے کے بعد
جان لو اُس کو ابھی زندہ ہے میر احمد نوید